تدبّر

زیر نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبرِ قرآن و حدیث

لاہور - پاکستان

نئے مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

- ○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ٥٦/- روپے

موضوعات: خدا کی ذات وصفات ۔ کائنات میں انسان کا مقام ۔ خیر وشر ۔ جبر واختیار ۔ آخرت اور جزا وسزا ۔ نظام نبوت ۔

- ○ مقالاتِ اصلاحی ۔ جلد اوّل ٨٧/- روپے

موضوعات:

اسوۂ حسنہ ۔ جماعت اسلامی سے علٰحدگی کی بنیادیں ۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج ۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات ۔

- ○ اسلامی قانون کی تدوین ٤٨/- روپے
- ○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ٢٠٠/- روپے
- ○ تفہیمِ دین ٥٤/- روپے

موضوعات:

قرآنیات ۔ تحقیقِ حدیث وسنت ۔ فلسفۂ دین
اسلامی نظام اجتماعی ۔ قومی وملی معاملات ۔

فاران فاؤنڈیشن

١٢٢ ۔ فیروز پور روڈ ۔ اچھرہ ۔ لاہور ٥٤٦٠٠
فون ۔ ٧٥٨٠٨٠٠

تدبّر

اپریل ١٩٩٤ء ۔ شمارہ نمبر ٤٦ ۔ ذی قعدہ ١٤١٤ھ

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

نظم قرآن کے نظریے کی مقبولیت ———— خالد مسعود ٣

تدبر قرآن

تفسیر سورۂ رعد ———— خالد مسعود ٦

تدبر حدیث

حصول علم کے لیے وفور شوق ———— امین احسن اصلاحی / سعید احمد ١٢
مال ومتاع کے متعلق فیصلے ———— امین احسن اصلاحی / سعید احمد ٢١

افاداتِ فراہیؒ

اصول تفسیر کو مدون کرنے کی ضرورت ———— خالد مسعود ٣١

اسالیب قرآن

معطوف علیہ کا حذف ———— خالد مسعود ٤١

تبصرہ کتب

نیا علمی و تحقیقی رسالہ ———— محبوب سبحانی ٤٧
مصحف دوراں ———— ″ ٤٨

مجلسِ ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی
- سعید احمد

ناشر ـــــ ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

مطبع ـــــ المطبعۃ العربیۃ لاہور

قیمت ۸/= روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

نظم قرآن کے نظریہ کی مقبولیت

مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کی تفسیر تدبر قرآن کے منفرد انداز بیان اور طریقہ تفسیر نے قرآن فہمی کے شائقین اور اہل علم و دانش کو جس طرح متاثر کیا ہے اس کا ایک اندازہ اندرون ملک یونیورسٹیوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی اور ایم۔ اے کی ڈگری کے لیے لکھے گئے مقالہ جات کی ایک بڑی تعداد سے ہوتا ہے۔ ادھر پچھلے چند ماہ کے دوران بعض ایسے شواہد سامنے آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر نے بیرون ملک بھی اہل علم کا اعتماد حاصل کیا ہے اور یہ تیزی سے اپنا مقام پیدا کر رہی ہے۔

بیرون ملک تفسیر تدبر قرآن پر سب سے پہلا کام ڈاکٹر مستنصر میر نے امریکہ کی یونیورسٹی آف مشی گن میں کیا تھا۔ انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ میں تدبر قرآن کا ایک مطالعہ پیش کیا جس میں تفسیر میں اختیار کردہ اصول نظم قرآن کو خاص طور پر موضوع بحث بنایا۔ انہوں نے دکھایا کہ مولانا کا سورتوں کو جوڑے جوڑے قرار دینا اور پورے قرآن کو ایسے سات حصوں میں تقسیم کرنا جن میں سورتوں کے مجموعے الگ الگ مرکزی مضمون کے حامل ہیں، نظم قرآن کے تصور میں ایک اضافہ ہے جس کی پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی اور جس سے حکمت قرآن کے فہم کی بے شمار راہیں کھلتی ہیں۔ تدبر قرآن نے قرآن کی سورتوں میں نہ صرف معنوی ربط واضح کیا ہے بلکہ اس کی ترتیب کو بھی معنی خیز ثابت کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ اب کتابی شکل میں ربط قرآن (Coherence in the Quran) کے نام سے امریکہ سے شائع ہو چکا ہے۔

گزشتہ سال بھارت میں پہلی مرتبہ تفسیر تدبر قرآن ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی اور قلیل مدت میں اس کی تمام کاپیاں فروخت ہو گئیں۔ یہ بات خود کتاب کے ناشرین کے لیے موجب حیرت تھی کہ ہندوستان میں، جہاں مسلمانوں کی قوت خرید بے حد کم ہے، نو ضخیم جلدوں پر مشتمل اس کتاب کے ایک ہزار نسخے اتنی کم مدت میں کیسے نکل گئے۔ اس کی ممکنہ توجیہ یہ ہے کہ تدبر قرآن نے تفسیر کی مشکلات کے حل کے لیے نئی راہیں کھولی ہیں۔ اس نے قرآن کے اندر نظم کو ایسے مدلل انداز میں ثابت کیا اور فن تفسیر کو نیا رخ دیا ہے جس کی لوگوں نے دل سے قدر کی ہے۔ لہٰذا جو لوگ قرآن فہمی کے طالب

تھے انہوں نے کتاب کے حصول کو یقینی بنایا۔

ایک پاکستانی نوجوان جناب عبدالقدیر ایاز جو عرصہ دراز سے سعودی عرب میں مقیم دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے، چند ماہ قبل پاکستان آئے تو مولانا مدظلہ سے ملاقات کی غرض سے بطور خاص لاہور پہنچے۔ ان کو کتب تفسیر کے مطالعہ کے دوران کسی شخص نے بر سبیل تذکرہ تفسیر تدبر قرآن سے آگاہ کیا تھا۔ انہیں کتاب حاصل کرنے کی جستجو ہوئی تو بمشکل تمام کہیں سے اس کی ایک جلد ہاتھ آئی۔ اس کو پڑھا تو اس تفسیر کے گرویدہ ہو گئے۔ اب انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ ایسی نعمت سے عالم عرب ابھی تک کیوں بے خبر ہے۔ پاکستان آ کر انہوں نے کتاب بھی حاصل کی، مولانا سے بالمشافہ گفتگو بھی کی اور اپنا یہ عندیہ بھی ظاہر کیا کہ وہ عربوں کو اس علمی خزانے سے روشناس کرانے کی تدابیر کریں گے۔ نیز اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ بھی اس سعادت میں شریک ہو جائیں۔

ترکی کے دارالحکومت استنبول میں دینی تحقیق کا ایک ادارہ ترکی موسسہ دینی (Turkish Religious Foundation) قائم ہے۔ اس کے مرکز اسلامیات کے ایک ریسرچ اسکالر۔۔۔۔ برادر عبدالحمید برایشق۔۔۔۔۔ پاکستان میں لکھی گئی اردو تفاسیر پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ تحریر کر رہے ہیں۔ وہ اپنی تحقیق کے سلسلہ میں ڈیڑھ برس اسلام آباد میں مقیم رہے۔ اس دوران میں انہوں نے اردو زبان سیکھی اور اردو تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں تنقید و تبصرہ کے لیے جن چار تفاسیر کا انتخاب کیا ان میں تفسیر تدبر قرآن بھی شامل ہے۔ یہ نوجوان اسکالر تفسیر تدبر قرآن کے اصول اور انداز بیان سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے لاہور آ کر مولانا سے بالمشافہ تفسیر کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کیا اور اس بات کے خواہاں ہوئے کہ اگر مولانا اجازت مرحمت فرمائیں تو وہ اس کو ترکی زبان میں منتقل کر دیں۔ مولانا نے بخوشی ان کو اجازت دے دی۔ اللہ کرے برادر عبدالحمید اپنے مقالہ کی تکمیل کے بعد اس ملی خدمت کے لیے توفیق پائیں۔

حال ہی میں انگلستان کی یونیورسٹی آف لیڈز کے شعبہ دینیات و مذہبی علوم میں اسلامیات کے ایک پروفیسر ڈاکٹر نیل رابنسن (Dr. Neal Robinson) صاحب تدبر قرآن سے ملاقات کے لیے وارد لاہور ہوئے۔ ڈاکٹر مستنصر میر کی کتاب ربط قرآن ان کی نظر سے گزری تھی۔ انہوں نے اس کتاب کو نہایت غور سے پڑھا اور اس کے مفاہیم کو اچھی طرح ہضم کیا۔ اس کی مدد سے ان کو مولانا کے نقطہ نظر سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے مولانا کے اصول کی روشنی میں اپنے طور پر قرآن مجید پر تدبر شروع کر دیا۔ اردو سے ناواقفیت کے باعث کتاب سے براہ راست استفادہ ان کے لیے ممکن نہ تھا لہذا بہت سی مشکلات کو وہ اپنے طور پر حل نہ کر سکے۔ البتہ وہ دل سے قرآن میں نظم و ربط کے قائل ہو گئے۔ ان کے نزدیک قرآن میں نظم کے اس قدر شواہد موجود ہیں کہ ان کا انکار یا تو نہایت بلید شخص کر سکتا ہے یا کوئی

کٹر معاند۔ وہ نظم قرآن کے اثبات کے لیے مولانا کی خدمت کے دل سے معترف تھے۔ انہوں نے مولانا مدظلہ اور راقم سے نظم کی بعض مشکلات پر کئی نشستوں میں تبادلہ خیالات کیا اور بعض تصورات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر رابنسن نے تفسیر تدبر قرآن کے عربی اور انگریزی ترجمہ کی ضرورت پر خاص طور پر زور دیا تاکہ یہ تفسیر قرآن کے ان طالب علموں کی رسائی میں آ جائے جو اردو زبان سے نابلد ہیں۔

چند ماہ کی قلیل مدت میں مولانا کے ساتھ ایسے لوگوں کے رابطے، جو پہلے سے مولانا سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے اور نہ ان کے خوشہ چین رہے ہیں، اس بات کا ثبوت ہیں کہ مولانا کی یہ خدمت قرآن عاقلوں کو متاثر کر رہی ہے۔ لوگ قرآن میں نظم کا مشاہدہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ فہم قرآن کا یہ طریقہ مقبول ہو اور لوگ اس کی برکات سے فیض یاب ہوں۔

بقیہ: اصول تفسیر کو مدون کرنے کی ضرورت

ثالثاً قرآن فروعی احکام تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا بیشتر حصہ عقائد اور اخلاقیات سے متعلق ہے۔ جب علم تاویل اصول فقہ کا حصہ بنا دیا گیا تو یہ احکام تک محدود ہو گیا۔ اس سے ایک ایسے علم کی بنیاد رکھنے میں جو فہم قرآن کی طرف رہنمائی دیتا ہو، بڑا رخنہ پیدا ہو گیا۔

اگر قرآن مجید کو تمام علوم دین کی بنیاد بنانا ہو جو کہ یہ فی الحقیقت ہے بھی، تو یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ اس کے اصول تاویل وضع کیے جائیں تاکہ ایک ایسا عمومی علم وجود میں آئے جس سے قرآن سے استفادہ میں کام لیا جا سکے۔ میں کثرت تاویل کی لاعلاج بیماری کا علاج اسی میں دیکھتا ہوں کہ قرآن کا دامن تھام لیا جائے اور روایات اور آراء کو اللہ کی کتاب کی طرف لوٹایا جائے۔ اس کے لیے یہ ماننا لازم ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، کہ قرآن ایک ہی صحیح تاویل کا حامل ہے اور اس کی دلالت قطعی ہے اور اس کی عبارت کا مدلول ایک ہی ہوتا ہے۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورہ رعد

یہ الف، لام، میم، را ہے۔ یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں اور جو چیز تمہاری طرف تمہارے خداوند کی طرف سے اتاری گئی ہے، حق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں مان رہے ہیں ○ ۱

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں [1]۔ پھر وہ اپنے عرش پر متمکن ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ ان میں سے ہر ایک ایک وقت معین کے لیے گردش کرتا ہے۔ وہی کائنات کا انتظام فرماتا ہے اور اپنی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو ○ ۲

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں اس میں پیدا کیں۔ وہ رات کو دن پر اڑھا دیتا ہے [2]۔ بے شک ان چیزوں کے اندر ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور کریں ○ ۳

اور زمین میں پاس پاس کے قطعے ہیں، انگوروں کے باغ ہیں، کھیتی ہے اور کھجور ہیں۔ جڑواں بھی ہیں اور اکہرے بھی۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ہم پیداوار میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دے دیتے ہیں۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں ○ ۴

مضمون: اس سورہ میں سورہ یوسف ہی کا مضمون نقل و فطرت کے دلائل سے واضح کیا ہے۔

[1] یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت و حکمت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس نے یہ عظیم شامیانہ جذب و کشش کے ایسے ستونوں پر کھڑا کیا ہے جن کو دیکھنے سے تمہاری نگاہیں قاصر ہیں۔

[2] کائنات کے ہر گوشہ کی یہ شہادت اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ دنیا بھی تنہا نہیں ہے بلکہ اس کا بھی جوڑا ہے اور وہ ہے آخرت۔ اپنے اس جوڑے کے ساتھ مل کر ہی یہ اپنی غایت کو پہنچتی اور بامقصد نظر آتی ہے۔

اور اگر تم تعجب کرو تو تعجب کے قابل ان کی یہ بات ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہم از سر نو وجود میں آئیں گے۔ [3] یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا، یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوتے ہیں اور یہی لوگ اہل دوزخ ہیں، یہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ○ ۵

اور یہ لوگ خیر سے پہلے شر کے لیے تم سے جلدی مچاتے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے عقوبت کی مثالیں گزر چکی ہیں [4]۔ تمہارا رب لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود ان سے درگزر کرنے والا بھی ہے اور تیرا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے ○ ۶

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ تم تو بس ایک آگاہ کر دینے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے ○ اللہ ہی جانتا ہے ہر مادہ کے حمل کو اور جو کچھ رحموں میں گھٹتا اور بڑھتا ہے اس کو بھی، اور ہر چیز اس کے ہاں ایک اندازہ کے مطابق ہے [5] ○ وہ غائب و حاضر سب کا جاننے والا، عظیم اور عالی شان ہے ○ اس کے علم میں یکساں ہیں تم میں سے وہ جو بات کو چپکے سے کہیں اور وہ جو بلند آواز سے کہیں اور جو شب کی تاریکی میں چھپے ہوتے ہوں اور جو دن کی روشنی میں نقل و حرکت کر رہے ہوں ○ ان پر ان کے آگے اور پیچھے سے امر الٰہی کے موکل لگے رہتے ہیں جو باری باری ان کی نگرانی کرتے ہیں [6]۔ اللہ کسی قوم کے ساتھ اپنا معاملہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی روش میں تبدیلی نہ کرے اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی [7] اور ان کا اس کے مقابل میں کوئی بھی

---

[3] یعنی خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں کے ہوتے ہوئے مرنے کے بعد اٹھنے اور خدا کے حضور حساب کتاب کے لیے حاضر ہونے کی بات قابل تعجب نہیں۔ قابل تعجب کفار کا آخرت کو مستبعد سمجھنا ہے۔

[4] مطلب یہ ہے کہ کفار توبہ اور اصلاح سے پہلے کسی عذاب کے دیکھنے کے خواہش مند ہیں حالانکہ کتنی قوموں کی عذاب میں ہلاک ہونے کی سرگزشتیں ان کو سنائی جا رہی ہیں۔ کیا ان کے اندر ان کے لیے درس عبرت موجود نہیں؟

[5] یعنی ایک بات جو ایک امر واقعی اور شدنی ہے اس میں اس بنیاد پر کوئی شبہ قائم کرنا کہ تم اس کا وقت معین طور پر نہیں بتا سکتے، کوئی معقول بات نہیں ہے۔ ایک حاملہ کے وضع حمل کا وقت معلوم نہ ہونے کے باعث اس کے حمل کی نفی تو نہیں کی جاتی۔

[6] اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ہر انسان پر خدا کی طرف سے نگرانی کے لیے مقرر ہیں۔

[7] یعنی عذاب کے معاملہ میں سنت اللہ یہ ہے کہ جب قوم اپنی روش بدل لیتی ہے اور تنبیہ و انذار کے باوجود متنبہ نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس پر وہ عذاب بھیجتا ہے جس کو کوئی طاقت دفع نہیں کر سکتی۔

مددگار نہیں بن سکتا○ ۱۱

وہی دکھاتا ہے تمہیں بجلی جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی، اور ابھارتا ہے بوجھل بادلوں کو○ اور بجلی کی گرج اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے اس کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ بھیجتا ہے بجلی کے کڑکے اور ان کو نازل کر دیتا ہے جن پر چاہتا ہے اور وہ خدا کے باب میں جھگڑتے ہی ہوتے ہیں [۵] اور وہ بڑی ہی زبردست قوت والا ہے○ ۱۳

حقیقی پکارنا تو صرف اس کو پکارنا ہے، رہے وہ جن کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں تو وہ ان کی کوئی بھی دادرسی نہیں کر سکتے۔ ان کو پکارنا ایسا ہی ہے کہ کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے درآنحالیکہ وہ کسی طرح اس کے منہ تک پہنچنے والا نہ ہو۔ ان کافروں کی فریاد محض صدا بصحرا ہوگی [۶]○ ۱۴

اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں، خواہ طوعاً خواہ کرہاً۔ اور ان کے سائے بھی صبح اور شام [۷]○ ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا مالک کون ہے؟ کہہ دو، اللہ! ان سے پوچھو تو کیا اس کے بعد تم نے اس کے سوا ایسے کارساز بنا رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے لیے بھی نہ کسی نفع پر کوئی اختیار رکھتے اور نہ کسی ضرر پر۔ ان سے پوچھو کیا اندھے اور بینا دونوں یکساں ہو جائیں گے! یا کیا روشنی اور تاریکی دونوں برابر ہو جائے گی [۸]! کیا انہوں نے خدا کے ایسے شریک ٹھہرائے ہیں

---

۵ یعنی منکرین کی جسارت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور ادھر رعد و برق اور فرشتوں کا حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت خوف الٰہی سے اس کی تسبیح و حمد میں مصروف رہتے ہیں کہ معلوم نہیں کس وقت کیا حکم صادر ہو۔ پھر لوگ خدا کے بارے میں جھگڑنے ہی میں مصروف ہوتے ہیں کہ وہ جن پر چاہتا ہے اپنا صاعقہ عذاب بھیج دیتا ہے۔

۶ یعنی خدا کے سوا کسی دوسرے کو پکارنا نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ یہ سراب کو پانی سمجھ کر اس کے پیچھے بھاگنا ہے۔ لہٰذا خیالی شرکاء و شفعاء کو پکارنا محض صدا بصحرا ہے۔

۷ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اصل وجود میں خدا ہی کی مطیع ہے۔ جن کو کچھ اختیار ملا ہوا ہے اگر خدا سے اکڑتے ہیں تو وہ بھی اپنے تکوینی وجود میں خدا ہی کے آگے جھکنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مثلاً ان کے سائے صبح و شام خدا کے آگے بچھے رہتے ہیں۔

۸ یعنی تم خدا کے شریک مانتے ہو جن کی صبت تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو، خواہ ان کے اعمال و افعال

جنہوں نے اسی کی طرح خلق کیا ہے جس کے سبب سے ان کو خلق میں اشتباہ لاحق ہو گیا ہے! بتا دو کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے [۹]! اور وہ واحد اور سب پر حاوی ہے○ ۱۶

اس نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیاں اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ نکلیں۔ پھر سیلاب نے ابھرتے جھاگ کو اٹھا لیا اور اسی طرح کا جھاگ ان چیزوں کے اندر سے بھی ابھرتا ہے جن کو یہ زیور یا اسی قسم کی کوئی اور چیز بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کو ٹکراتا ہے، تو جھاگ تو بے مصرف ہو کر اڑ جاتا ہے لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹک باقی رہتی ہے [۱۰]! اسی طرح اللہ تمثیلیں بیان کرتا ہے○ جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو لبیک کہا ان کے لیے انجام کار کی فیروزمندی ہے اور جن لوگوں نے اس کی دعوت قبول نہیں کی، اگر ان کو وہ سب کچھ حاصل ہو جائے جو زمین میں ہے اور اسی کے برابر اور بھی، تو وہ فدیہ میں دے ڈالیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا حساب برا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے○ ۱۸

تو کیا جو جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے وہ اس کے مانند ہو جائے گا جو اندھا ہے؟ یاددہانی تو اہل عقل ہی حاصل کرتے ہیں○ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے پیمان کو توڑتے نہیں○ اور جو اس چیز کو جوڑتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے [۱۱]! اور اپنے رب سے ڈرتے اور سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں○ اور جو اپنے

اور عقائد و نظریات کچھ ہوں، خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے تو اس کے معنی یہ ہونے کہ خدا کی نگاہ میں اندھے اور بصیر اور تاریکی اور روشنی دونوں یکساں ہوئے۔ اس طرح تم نے حق و عدل کی بنیاد ہی ڈھا دی جس پر یہ آسمان و زمین قائم ہیں اور جس کی نفی کے بعد یہ سارا عالم ایک اندھیر نگری بن کے رہ جاتا ہے۔

۹ یعنی کیا کوئی ایسی مخلوقات بھی پائی جاتی ہیں جن کے متعلق یہ گھپلا پیش آتا ہو کہ ان کو خدا کی مخلوق قرار دیا جائے یا اس کے کسی شریک کی؟ یقیناً اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں۔

۱۰ ان دو مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ کائنات اپنے مزاج سے ہر نافع کو باقی رکھنا چاہتی ہے اور غیر نافع کو برابر چھانٹتی رہتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو ٹکراتا ہے تو باطل خس و خاشاک کی طرح اڑ جاتا ہے۔ لیکن حق باقی رہتا ہے۔ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ وہ حق و باطل کی اس کشمکش میں جو قرآن کے نزول سے برپا ہوئی ہے باطل کو مٹا دے گا اور قرآن کے حاملین باقی رہ جائیں گے۔

۱۱ عہد و پیمان سے مراد یہاں وہ عہد فطرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے اقرار کے لیے تمام اولاد آدم سے عالم ارواح میں لیا گیا تھا۔ جس چیز کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وہ رشتہ رحم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندوں کے جو حقوق ان پر بربنائے رشتہ رحم عائد ہوتے ہیں ان کو پوری فیاضی سے ادا کرتے ہیں۔

رب کی رضا جوئی میں ثابت قدم رہے اور جنہوں نے نماز کا اہتمام رکھا اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا اس میں سے سرًا اور علانیۃً خرچ کیا اور جو بدی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں ۱۵۔ انجام کار کی کامیابی انہی کے لیے ہے۔ ○ ابد کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی جو اس کے اہل بنیں گے ان کے آباؤ اجداد، ان کی ازواج، اور ان کی اولاد میں سے ۱۶۔ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس جائیں گے ○ اور کہیں گے آپ لوگوں پر سلامتی ہو بوجہ اس کے کہ آپ لوگ ثابت قدم رہے۔ پس کیا ہی خوب ہے انجام کار کی کامیابی ○ ۲۴

اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور اس چیز کو کاٹتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں وہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے ۱۷ اور ان کے لیے برا انجام آخرت ہے ○ اللہ رزق کو کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور یہ دنیا کی زندگی پر مگن ہیں ۱۸ اور یہ دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابل میں محض ایک متاع حقیر ہے ○ ۲۶

اور جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ کہہ دو کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی طرف رہنمائی ان لوگوں کی فرماتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ○ جو ایمان لاتے ہیں اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، سن لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے ۱۹ ○ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل

---

۱۵ یعنی وہ ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتے ہیں جو ان کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ اس نیکی کا اللہ تعالیٰ کی میزان میں بڑا وزن ہے۔

۱۶ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صالحین کی مسرت کی تکمیل کے لیے ان کے ان اعزہ و اقربا کو بھی ان کے ساتھ جمع کر دے گا جو اگرچہ باعتبار درجہ و مرتبہ ان سے فروتر ہوں لیکن ہوں وہ بھی جنت میں داخل ہونے کے حقدار۔

۱۷ ان پر لعنت کا سبب یہ ہو گا کہ انہوں نے وحدت اللہ اور وحدت آدم کی وہ دونوں بنیادیں ڈھا دیں جن پر اسلام کا نظام حق و عدل قائم ہے۔

۱۸ رزق کی کشادگی عطا کر کے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ اس کا شکر گزار بن کر رہے اور رزق کی تنگی دے کر وہ اس کے صبر کی آزمائش کرتا ہے۔ اس صبر و شکر پر تمام دین کی عمارت قائم ہے لیکن رزق کی وسعت رکھنے والے غرور میں مبتلا ہو کر آخرت کو بھول بیٹھتے ہیں۔

۱۹ یعنی اگر دلوں کی طمانیت اور ایمان و شرح صدر کی نعمت مطلوب ہے تو وہ معجزوں اور کرشموں سے نہیں حاصل

کیے ان کے لیے خوش خبری ہے اور اچھا ٹھکانا ہے ○ ۲۹

اسی طرح ہم نے تم کو بھیجا ہے ایک ایسی امت میں جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تم انہیں وہ چیز سنا دو جو ہم نے تم پر وحی کی ہے۔ ہرچند وہ خدائے رحمان کا انکار کر رہے ہیں۔ کہہ دو کہ وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○ اور اگر کوئی ایسا قرآن بھی اترتا جس سے پہاڑ حرکت میں آ جاتے یا زمین پاش پاش ہو جاتی یا مردے بولنے لگ جاتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے ۲۰۔ بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کیا ایمان لانے والوں کو اس بات سے اطمینان نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب ہی کو ہدایت پر کر دیتا اور ان کافروں کو برابر کوئی نہ کوئی آفت ان کے اعمال کی پاداش میں پہنچتی رہے گی یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتی رہے گی ۲۱۔ یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کے ظہور کا وقت آ جائے، اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ ○ اور تم سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو میں نے کفر کرنے والوں کو ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑا تو دیکھو کیسا ہوا میرا عذاب ○ ۳۲

ہوتی بلکہ اللہ اور اس کی صفات، جمال و کمال کے تذکر و تفکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ چیز مطلوب ہے تو پیغمبر کی دعوت کو غور سے سنو۔

۲۰ یعنی یہ اس صورت میں بھی اپنے کفر پر اڑے رہنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا ہی لیتے۔ آخر ان کے پیشرووں نے کتنے معجزے دیکھے لیکن وہ ان کو سحر اور شعبدہ بازی کہہ کر بدستور اپنے کفر پر اڑے ہی رہ گئے۔

۲۱ فرمایا یہ بات بھی نہیں ہے کہ نشانیاں ظاہر نہ ہو رہی ہوں۔ وقتاً فوقتاً ان کی کرتوتوں کی پاداش میں خود ان پر یا ان کے قرب و جوار کے لوگوں پر تنبیہات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ منتظر ہیں کہ عذاب الٰہی کا ڈنڈا خود ان کی کمر پر پڑے۔

تدبر حدیث

امین احسن اصلاحی

حصول علم کے لیے وفور شوق

(صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روایات)

باب ۵۱۔ الفہم فی العلم

علم کے لیے عقل کی ضرورت

۷۲۔ حدثنا علی بن عبداللہ قال ثنا سفیان قال قال لی ابن ابی نجیح عن مجاھد قال صحبت ابن عمر الی المدینہ فلم اسمعہ یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا حدیثا واحدا قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی بجمار فقال ان من الشجر شجرۃ مثلھا کمثل المسلم فاردت ان اقول ھی النخلہ فاذا انا اصغر القوم فسکت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی نخلہ

■ ... مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں مدینے کے سفر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ رہا لیکن میں نے ان کو ایک ہی روایت بیان کرتے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ آپؐ کے پاس جمار کھجور کا گابھا لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے۔ میرے جی میں آیا کہ یہ کہوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے خیال کیا کہ میں سب سے چھوٹا ہوں تو میں خاموش رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔

<u>وضاحت:</u>

یہ روایت مختلف الفاظ اور بعض دوسرے راویوں کی سند سے پیچھے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے۔ تدبر شمارہ ۴۳)

جمار۔ خام کھجور کو کہتے ہیں جو آدھی پکی ہوئی اور آدھی نیم پختہ ہوتی ہے۔ اس میں ایک خاص قسم کا مزہ پیدا ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کو یہ بات کہاں سے سوجھی؟ ظاہر ہے کہ جب جمار لائے گئے تو حضورؐ نے اسی کو سامنے رکھ کر سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذہن فوراً کھجور کے درخت کی طرف منتقل ہو گیا لیکن انہوں نے بزرگوں کے ادب کی وجہ سے خاموشی اختیار کی۔ ان کا سوال کے صحیح جواب تک پہنچ جانا فہم علم کی دلیل ہے۔ گویا بات سے بات پکڑ لینے اور ذہن کو ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل کرنے سے علم کا فہم پیدا ہوتا ہے۔ ہر بات کو ٹھونس دینے سے آدمی عاقل نہیں بنتا۔

باب ۵۷۔ الاغتباط فی العلم والحکمۃ

علم اور دانائی میں رشک کرنا

<u>وضاحت:</u>

علم اور حکمت میں رشک کرنا جائز ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت عطا کی ہے اور آپ اپنے اندر اس کی کمی محسوس کرتے ہیں تو آپ اس کی آرزو کر سکتے ہیں کہ کاش اللہ تعالیٰ اس طرح کی علم و حکمت مجھے بھی دے۔ رشک میں یہ خواہش نہیں ہوتی کہ دوسرے سے یہ چیز چھن جائے۔ رشک اگر جائز ہے تو علم و حکمت ہی میں جائز ہے۔ باقی کپڑے، مال و دولت، گاڑی، مکان وغیرہ رشک کی چیزیں نہیں ہیں۔

و قال عمر تفقھوا قبل ان تسودوا وقال ابو عبداللہ و بعد ان تسودوا قد تعلم اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد کبر سنھم۔

■ ... حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ بوڑھا ہونے سے پہلے دین کا فہم پیدا کرو اور امام بخاری نے کہا کہ بوڑھا ہونے کے بعد بھی اور یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بوڑھا ہونے پر بھی علم سیکھا ہے۔

<u>وضاحت:</u>

حضرت عمرؓ کے قول میں فہم دین حاصل کرنے کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ فرمانا بھی اس امت کے دوسرے بڑے آدمی کا ہے۔ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ دین کا فہم حاصل کرنے کے لیے یہ سوچ نہیں ہونی چاہیے کہ ابھی بڑا وقت پڑا ہے، علم بعد میں حاصل کر لیں گے۔ ایسا کرتے کرتے بڑھاپا آ جاتا ہے تو قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں اور آدمی خواہش کے باوجود اپنے ارادوں کی تکمیل سے قاصر رہ جاتا ہے۔

دوسرا قول امام بخاریؒ کا اپنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دین کا فہم ایک جہد مسلسل ہے۔ بوڑھا ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اسے جاری رہنا چاہیے۔ اس کی تائید میں انہوں نے صحابہ کرام کی مثال دی ہے جو بلا لحاظ عمر دین کے فہم کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

۷۳۔ حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا اسمعیل بن ابی خالد علی غیر ما حدثنا الزھری قال سمعت قیس بن ابی حازم قال سمعت عبداللہ بن مسعود قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا حسد الا فی اثنتین، رجل اتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق و رجل اتاہ الحکمۃ وھو یقضی بھا و یعلمھا۔

▪... اسماعیل بن ابی خالد سے روایت ان الفاظ سے الگ ہے جن پر زہری نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قیس بن ابی حازمؒ سے سنا انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے لیے حسد جائز نہیں مگر دو آدمیوں پر۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور پھر اس کو اس مال کو حق کی راہ میں خرچ کرنے پر مسلط کر دے۔ اور دوسرا وہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو حکمت عطا فرمائے اور وہ اس کی روشنی میں فیصلے کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔

وضاحت :

روایت میں حسد کا لفظ رشک کے معنی میں آیا ہے۔ آنحضرتؐ نے دو آدمیوں پر رشک کرنے کو پسند فرمایا۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا تو وہ اس کو سینت کر نہیں رکھتا یعنی مال کو اپنے اوپر مسلط نہیں کرتا بلکہ خود مال پر مسلط ہو کر اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال قابل تقلید ہے۔ آدمی اس کی آرزو کرے کہ اس کو بھی اگر اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے تو وہ بھی اس آدمی کی طرح راہ حق میں اس کو خرچ کرے۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ تمنا کرے کہ مال دوسرے آدمی سے چھن جائے اور اسے مل جائے۔ ایسی آرزو بلاشبہ حسد کی تعریف میں آتی ہے جو ایک منفی جذبہ ہے۔

دوسری صفت جس میں رشک کیا جا سکتا ہے وہ حکمت ہے۔ اگر کسی کو حکمت عطا ہوتی ہے تو دوسروں کے لیے جائز ہے کہ وہ بھی ایسی ہی حکمت پانے کی آرزو کریں۔ ان کی تمنا ہو کہ اگر ان کو بھی حکمت عطا ہو جائے تو وہ بھی اس شخص کی طرح اس کی روشنی میں فیصلے کریں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔ حکمت کا فائدہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب اس کو فیصلے کرنے کے لیے استعمال کیا جائے اور دوسروں کو جو اس نعمت سے محروم ہیں، اپنی بساط کی حد تک تعلیم دی جائے۔ یہ خدا کے اس عطیے کا حق

ہے جو حکیم کو ادا کرنا چاہیے۔ جو شخص یہ حق ادا نہیں کرتا اس کا حکیم ہونا مشتبہ ہے۔

باب ۵۸۔ ما ذکر فی ذھاب موسیٰ فی البحر الی الخضر و قولہ تبارک و تعالیٰ ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا۔

▪... حضرت موسیٰ کا حضرت خضر کی تلاش میں سمندر میں جانا اور اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ کے اس قول کا ذکر کرنا کہ "کیا میں آپ کے ساتھ بایں شرط رہ سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو عطا ہوا ہے آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھائیں"۔
یہ سورہ کہف کی آیت نمبر ۶۶ کا حوالہ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ سے علم سیکھنے کی درخواست کی۔

۷۴۔ حدثنا محمد بن غریر الزھری قال حدثنا یعقوب بن ابراہیم قال ثنا ابی عن صالح یعنی ابن کیسان عن ابن شھاب حدثہ ان عبید اللہ بن عبداللہ اخبرہ عن ابن عباس انہ تمارٰی ھو و الحر بن قیس ابن حصن الفزاری فی صاحب موسیٰ قال ابن عباس ھو خضر فمر بھما ابی ابن کعب فدعاہ ابن عباس فقال انی تماریت انا و صاحبی ھذا فی صاحب موسیٰ الذی سال موسیٰ السبیل الی لقیہ ھل سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر شانہ قال نعم سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینما موسیٰ فی ملا من بنی اسرائیل اذ جاءہ رجل فقال ھل تعلم احداً اعلم منک قال موسیٰ لا، فاوحی اللہ الی موسیٰ بلی عبدنا خضر فسال موسیٰ السبیل الیہ فجعل اللہ لہ الحوت ایۃ و قیل لہ اذا فقدت الحوت فارجع فانک ستلقاہ فکان یتبع اثر الحوت فی البحر فقال لموسیٰ فتاہ ارایت اذا وینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت و ما انسانیہ الا الشیطن ان اذکرہ قال ذالک ما کنا نبغ فارتدا علی آثارھما قصصاً فوجدا خضرا فکان من شانھم ما قص اللہ تعالیٰ فی کتابہ۔

▪... ابن شہاب سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن عبداللہ نے ابن عباسؓ سے خبر دی کہ ان کا اور حر بن قیس ابن حصن فزاری کا حضرت موسیٰؑ کے حضرت خضر کے پاس جانے کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ ابی بن کعبؓ ان کے پاس سے گزرے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو بلایا اور کہا کہ میں اور میرا دوست حضرت موسیٰؑ کے اس ساتھی کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں جن سے ملنے کے لیے حضرت موسیٰؑ نے راستہ پوچھا تھا۔ کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ سنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے سرداروں کی جماعت میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کسی ایسے

شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑا عالم ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی کی کہ ہمارا بندہ خضر زیادہ علم رکھتا ہے۔ تو حضرت موسیٰؑ نے اس تک پہنچنے کا راستہ پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو اس کی نشانی بنایا اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ جب مچھلی غائب ہو جائے تب تم لوٹ آنا، اس وقت وہ بندہ تم کو ملے گا۔ حضرت موسیٰؑ سمندر میں مچھلی کے آثار تلاش کرتے روانہ ہوئے۔ تب "حضرت موسیٰؑ کے خادم نے ان سے کہا کہ جب ہم نے چٹان کے پاس پناہ لی تو میں مچھلی کو بھول گیا اور یہ شیطان ہی تھا جس نے اس کو یاد رکھنے سے غافل کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو ہمیں مطلوب تھا۔ پس وہ اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے واپس لوٹے" تو انہوں نے حضرت خضر کو پایا۔ پھر وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔

<u>وضاحت:</u>

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر کا قصہ سورہ کہف میں بیان ہوا ہے۔ روایت کے آخری حصہ میں "حضرت موسیٰؑ کے خادم" سے لے کر "واپس لوٹے" تک آیات ہی کا ترجمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا بیان جہاں موجود ہو، وہی صحیح ہے۔ روایات کو اس پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے دریا میں سفر کیا تھا۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں، اس لیے کہ اگر دریا کا سفر ہوتا تب تو اس میں کسی کے نقش قدم تلاش کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی، جب کہ قرآن نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کا خادم نقش قدم تلاش کرتے ہوئے واپس مڑے۔ مچھلی کو سمندر میں تلاش کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ یہ تو صرف اسی شکل میں ممکن ہو سکتا تھا جب دیکھتے کہ مچھلی تڑپ کر سمندر میں چلی گئی۔ تب حضرت موسیٰؑ کہتے کہ بس ٹھہر جاؤ۔ لیکن ایسا تو بیان نہیں ہوا۔

قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ مجمع البحرین کے پاس ایک پہاڑی کے دامن میں رکے۔ وہاں سے چلے تو ناشتہ کے لیے جو مچھلی ساتھ لی تھی وہ ساتھ لینا بھول گئے۔ جب سفر کرتے کرتے تھک گئے تو شاگرد سے ناشتہ طلب کیا۔ اس نے بتایا کہ پہاڑی کے پاس مچھلی نے نہایت حیرت انگیز طریقہ سے پانی میں اپنی راہ نکال لی تھی۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کو منزل مقصود کا یہی سراغ بتایا گیا تھا اس لیے وہ الٹے پاؤں، اپنے نقش قدم کو تلاش کرتے، اس مقام پر واپس آتے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ قرآن کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا سفر خشکی پر تھا۔

دوسری قابل غور بات حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب یہ قول ہے کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اول تو حضرت موسیٰؑ ایسی بے محل بات فرماتے کیوں اور اگر انہوں نے فرمائی تو یہ غلط بات

تو نہیں فرمائی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ رسول سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اور وہ اپنی پوری قوم کے سامنے اس حقیقت کا آشکارا طور پر اعلان کرتا ہے۔ یہ بات ہر رسول نے اپنی قوم سے کہی ہے کہ انی اعلم من اللہ مالا تعلمون (میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔ رہے حضرت خضر تو ان کے بارے میں یہی طے نہیں کہ وہ کیا تھے۔ وہ فرشتہ تھے یا نبی، قطب تھے یا ابدال۔ ان کے بارے میں محدثین کی بھی بہت سی مختلف رائیں ہیں۔ اور صوفیاء کی تو ساری عمارت اس پر قائم ہے کہ وہ قطب اور ابدال میں سے تھے۔ ان کے ہاں قطب اور ابدال وہ ہوتے ہیں جو جس کو جو چاہیں کر دیں۔ لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ خضر کی ایک بات بھی ماننے پر تیار نہ ہوتے۔ انہوں نے حضرت خضر کے ہر کام پر گرفت کی اور ان کی جان اس وقت تک نہیں چھوڑی جب تک حضرت خضر نے یہ نہیں کہا کہ یہ سب کچھ میں نے اپنے رب کے حکم سے کیا ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو معلوم تھا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ نے ایک خاص مشن پر ان کو بھیجا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ کہف کی تفسیر میں تدبر قرآن میں پڑھیے۔

قرآن مجید کے بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر ایک نبی تھے جن کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بعض ارادوں کے راز کھول دیے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو ان کے پاس حصول تربیت کے لیے بھیجا گیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا کے حکم سے اس کے ارادوں کے چند اسرار بے نقاب کیے جو تربیت صبر و رضا کے پہلو سے نہایت اہم تھے۔

ہم ان لوگوں کی بات بالکل بے سروپا سمجھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر دور میں حضرت خضر کی طرح کچھ اقطاب و ابدال ہوتے ہیں جو بجائے خود حق و باطل کی کسوٹی ہوتے ہیں اور ان کی باتیں شریعت پر نہیں پرکھی جاتیں۔ قرآن و حدیث دونوں سے اس تصور کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ خدا کی مرضیات و احکام معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہمارے پاس کتاب و سنت ہے۔ اقطاب و ابدال کی اصطلاحات یکسر باطل ہیں۔

میرے نزدیک یہ روایت از قبیل اسرائیلیات ہے۔ اس کے راوی بھی ابن شہاب ہیں جو ادراج کے ماہر ہیں۔

باب ۵۹۔ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب۔

... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بارے میں کہ اے اللہ اس کو قرآن کی تعلیم دے۔

۷۵۔ حدثنا ابو معمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا خالد عن عکرمۃ عن ابن عباس قال ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قال اللھم علمہ الکتاب۔

... ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لگا کر بھینچا اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو کتاب کا علم عطا فرما۔

وضاحت :

بعض روایات میں الکتاب کی جگہ حکمت کا لفظ ہے اور بعض میں کوئی اور۔ ایسا روایت بالمعنی کی وجہ سے ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ دین سیکھنے کا بے حد شوق رکھتے تھے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھیں۔ ابن عباسؓ رات کو ان کے پاس جا کر آنحضرتؐ کے بستر پر لیٹ جاتے اور رات کو اٹھ کر دیکھتے کہ آنحضرتؐ کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ بعض مرتبہ وہ خود بھی آنحضرتؐ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے۔ ایک مرتبہ حضور کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو کان سے پکڑ کر دائیں جانب کیا۔ اس طرح کے کئی واقعات نقل ہوئے ہیں، جن سے ان کا دین سیکھنے کا شوق معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت عباسؓ کے صاحبزادے ہونے، حضرت میمونہؓ سے قرابت رکھنے اور آنحضرتؐ سے اس تعلق اور ان کی اپنی خداداد ذہانت کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اور وہ یقیناً اس کے مستحق تھے۔

باب ۶۰۔ متی یصح سماع الصغیر

کم عمر لڑکے کا سماع کب درست ہوتا ہے

۷۶۔ حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ عن عبداللہ بن عباس قال اقبلت راکبا علی حمار اتان وانا یومئذ قد ناهزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بمنی الی غیر جدار فمررت بین یدی بعض الصف وارسلت الاتان ترتع ودخلت فی الصف فلم ینکر ذالک علی احد۔

... عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں بالغ ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں کھلے میدان میں نماز پڑھا رہے تھے۔ میں صف کے کچھ حصے کے آگے سے گزرا، گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں داخل ہو گیا۔ کسی نے میرے اس فعل پر نکیر نہ کی۔

وضاحت :

امام بخاریؒ نے باب تو یہ باندھا ہے کہ بچے کی روایت کب جائز ہوتی ہے لیکن اس کے تحت جو

روایت نقل کی ہے وہ بالغ لڑکے کی ہے۔ گویا یہ سوال باقی ہے کہ روایت کرنے کے لیے کیا عمر ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں لوگوں کا بڑا اختلاف ہے۔ زیادہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہونی چاہیے اور یہ خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ اس عمر سے پہلے کی روایت قبول کی جائے گی یا نہیں، اس میں بھی اختلافات ہیں۔ اس کا عقلی جواب یہ ہے کہ اگر بات ایسی ہو جو ایک بچے کے جاننے اور سمجھنے کی ہو تو وہ قبول کر لی جائے گی لیکن اگر ایسی بات ہو جو صرف بڑوں ہی کے سمجھنے کی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ مثلاً بچہ اگر یہ کہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپؐ نے میرے کان اینٹھے تو اس روایت کو مان لیا جائے گا۔ لیکن وہی بچہ اگر ایسی بات کرے کہ چالیس سال پہلے یوں ہوا تھا تو ظاہر ہے یہ روایت اس کے مشاہدے پر مبنی نہیں اور اسے محض بچے کے اعتماد پر قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ دیکھا جائے گا کہ اس کی تائید بڑے بھی کرتے ہیں یا نہیں۔

دوسری قابل غور بات اس روایت میں سترہ کی ہے۔ یعنی کھلی جگہ جہاں لوگ آگے سے گزر سکتے ہوں تو نمازی اپنے سامنے کوئی چیز کھڑی کرے جس کی اوٹ میں نماز ادا کرے۔ لق و دق میدان میں سترہ نہیں ہوتا۔ آپ اتنے فاصلے سے گزر جائیں جس سے نماز میں خلل پیدا نہ ہوتا ہو تو کچھ حرج نہیں۔ تیسرے یہ کہ جماعت کی صورت میں سترہ صرف امام کا ہوتا ہے۔ اگر امام کے آگے سترہ ہے تو وہ سب کو کفایت کرتا ہے۔ اس روایت کی روشنی میں اگر ایک آدمی امام کے آگے سے نہیں گزرا تو صف کے کسی حصے کے آگے سے گزر جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

۷۷۔ حدثنا محمد بن یوسف قال حدثنا ابو مسہر قال حدثنی محمد بن حرب قال حدثنی الزبیدی عن الزہری عن محمود بن الربیع قال عقلت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجۃ مجہا فی وجہی وانا ابن خمس سنین من دلو۔

... محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے ایک ڈول سے کلی کر کے میرے منہ پر اس سے چھینٹے مارے اور اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔

وضاحت :

اس روایت کا مضمون نہایت واضح اور بات معقول ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں کے ساتھ پیار تھا اور ان کے ساتھ آپ اس طرح کی دل لگی کیا کرتے تھے۔ صحابی نے یہ واقعہ اس وقت بیان کیا جب وہ عاقل و بالغ ہو چکے تھے، اگرچہ واقعہ ان کے بچپن کا ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی باب کی ضرورت کو پورا نہیں کرتی۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ روایت قبول کی جائے گی یا نہیں تو

میرے نزدیک قبول کی جائے گی۔ اس میں کوئی پیچ وخم نہیں۔

باب ٦١۔ الخروج فی طلب العلم ورحل جابر بن عبداللہ مسیرۃ شہر الی عبداللہ بن انیس فی حدیث واحد۔

⬓... علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا۔ جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے ایک ماہ کا سفر کیا۔

وضاحت:

حضرت جابرؓ کے عمل سے معلوم ہوا کہ علم کی تلاش میں جدوجہد مطلوب چیز ہے۔ مدینہ سے ایک ماہ کا سفر زیادہ سے زیادہ عراق یا شام کا ہو سکتا ہے۔

صرف ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے اس قدر مشقت اٹھانا علم کے لیے ایک غیر معمولی قربانی ہے۔ آج ہم کو روایات کتابوں میں آرام سے مل جاتی ہیں، اس کے باوجود ہم ان پر غور کرنے کی بھی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔

٧٨۔ حدثنا ابو القاسم خالد بن خلی قاضی حمص قال ثنا محمد بن حرب قال الاوزاعی اخبرنا الزہری عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس انہ تمارٰی ہو والحر بن قیس بن حصن الفزاری فی صاحب موسیٰ فمر بہما ابی بن کعب فدعاہ ابن عباس فقال انی تماریت انا و صاحبی ھذا فی صاحب موسیٰ الذی سال السبیل الی لقیہ ھل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر شانہ، فقال ابی نعم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر شانہ، یقول بینما موسیٰ فی ملاہ من بنی اسرائیل اذ جاءہ رجل فقال ھل تعلم احدا اعلم منک قال موسیٰ لا، فاوحی اللہ الی موسیٰ بلی عبدنا خضر فسال السبیل الی لقیہ فجعل اللہ لہ الحوت ایۃ و قیل لہ اذا فقدت الحوت فارجع فانک ستلقاہ فکان موسیٰ یتبع اثر الحوت فی البحر فقال فتی موسیٰ لموسیٰ ارایت اذ اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت و ما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ، قال موسیٰ ذالک ما کنا نبغ فارتدا علی اثارھما قصصا فوجدا خضرا فکان من شانھما ما قص اللہ فی کتابہ۔

ترجمہ ووضاحت:

بعینہٖ یہی روایت اوپر باب ٥٨ میں گزر چکی ہے۔ اس کا ترجمہ اور وضاحت وہاں ملاحظہ کی جائے۔

(ترتیب: سعید احمد)

تدبر حدیث
امین احسن اصلاحی

مال ومتاع کے متعلق فیصلے

(موطا امام مالکؒ کی کتاب الاقضیہ کی روایات)

القضاء فی قسم الاموال

(مالوں کی تقسیم کے بارے میں فیصلہ)

حدثنی یحییٰ عن مالک عن ثور بن زید الدیلی انہ قال: بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: **ایما دار او ارض قسمت فی الجاھلیۃ فھی علی قسم الجاھلیۃ، و ایما دار او ارض ادرکھا الاسلام ولم تقسم فھی علی قسم الاسلام۔**

⬓... ثور بن زید دیلی کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی گھر یا جو کوئی رقبہ جاہلیت میں تقسیم ہو چکا ہو وہ جاہلیت کی تقسیم ہی پر رہے گا اور جس گھر یا رقبہ کی تقسیم کا مرحلہ اسلام کے آنے تک پیش نہیں آیا وہ اسلام کے اصولوں پر تقسیم ہو گا۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ غیر منقولہ جائداد کی تقسیم کے بارے میں جو فیصلے اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کر دیے گئے اسلام میں ان کو نہیں بدلا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس باب کو دوبارہ کھولنے میں بڑے جھگڑے اور بکھیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جاہلیت میں جو ہو چکا وہ مانا جائے گا۔ اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو گا۔ مکان یا رقبہ اسی کا ہے جس کو مل چکا۔ اس کا حق تقسیم کر لیا جائے گا۔ صرف ان معاملات میں اصلاح ہو گی جن کا تعلق دین کے اصولی مسائل سے ہے۔

ہمارے ہاں کے بعض دانشمند معاملات کی ان باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔ انہوں نے عشری اور خراجی زمینوں کے بارے میں کہیں پڑھ لیا ہے تو آج وہ پاکستان کی زمینوں کے بارے میں وہی حکم لگانا چاہتے ہیں جو صدر اول میں مسلمانوں نے مفتوح علاقوں پر لگایا تھا۔ یہ ایک فضول بات ہے۔ کوئی صفت زمین

کے ساتھ چپکی نہیں رہتی۔ ہر صفت کا تعلق مالکوں سے ہوتا ہے۔ پورے رقبے کا تعلق ریاست سے ہوتا ہے۔ زمین کا اصل مالک خدا تعالیٰ ہے اور خدا کی خلیفہ حکومت ہوتی ہے۔ زمین کے موجودہ مالکوں کے بارے میں یہ بحث نہیں ہو سکتی کہ فلاں زمانے میں اس زمین کا مالک یہودی یا نصرانی یا ہندو تھا۔ یہ سب بحثیں ختم ہو چکی ہیں۔ جو تقسیم چلی آ رہی ہے وہ اصولاً آپ کو آج بھی ماننی پڑے گی۔ البتہ مفتوح اہل ذمہ کے بارے میں آپ کو مداخلت کرنے کا حق ہے۔ معاہد اہل ذمہ کے بارے میں نہیں۔ معاہد اہل

ذمہ کے ساتھ جو معاہدہ ہو گا اس کے مطابق عمل ہو گا۔ مثلاً پاکستان کے اہل ذمہ معاہد اہل ذمہ ہیں۔ ان سے متعلق جو معاہدہ ہو چکا ہے بس اسی پر فیصلہ ہو گا۔ ان پر کوئی اور چیز لاگو نہیں کر سکتے۔ ان کی املاک اور معابد کا تحفظ کیا جائے گا۔ یہ چیز اسلام میں مسلم ہے۔

حدثنی مالک عن ابن شهاب عن عروة بن الزبیر عن عبدالرحمن بن عبد القاری ان عمر بن الخطاب قال ما بال رجال ینحلون ابناوهم نحلا ثم یمسکونها، فان مات ابن احدهم، قال مالی بیدی لم اعطه احدا، وان مات هو، قال هو لابنی قد کنت اعطیته ایاه۔ من نحل نحلة فلم یحزها الذی نحلها، حتی یکون ان مات لورثته فهی باطل۔

■... عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ لوگوں کا عجیب حال ہے کہ اپنے بیٹوں کو کچھ عطیہ دیتے ہیں تو اسے اپنے قبضہ میں رکھتے ہیں۔ اگر بیٹا مر گیا تو کہہ دیا کہ میرا مال میرے ہاتھ میں محفوظ ہے، میں نے یہ کسی کو نہیں دیا اور اگر خود کو موت آ گئی تو کہا کہ یہ میرے بیٹے کا ہے، میں نے اس کو دے دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر کسی نے اس طرح کا ہبہ کیا اور جس کو ہبہ کیا گیا اس نے اس پر قبضہ نہیں کیا کہ اگر وہ مر جائے تو اس کے ورثا کا ہو سکے تو اس طرح کا ہبہ باطل ہو گا۔

<u>وضاحت :</u>

یہ ہبہ کرنے والوں کی ایک چالاکی بتائی ہے کہ قبضہ نہیں کراتے تھے تاکہ موہوب لہ کی وفات کی صورت میں ہبہ ساقط ہو جائے اور معطی کا ہی رہے۔ موہوب لہ کے وارث اس کے حقدار نہ ہو سکیں۔ اور اگر معطی کی وفات ہو جائے تو یہ موہوب لہ کا حق رہے۔ دوسرے ورثا کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔ حضرت عمرؓ نے قانون بنا دیا کہ قبضہ ضروری ہے۔ ورنہ ہبہ باطل ٹھہرے گا۔

القضاء فی الهبة

(ہبہ کے بارے میں فیصلہ)

حدثنی مالک عن داؤد بن الحصین عن ابی غطفان بن طریف المری ان عمر بن الخطاب قال من وهب هبة لصلة رحم، او علی وجه صدقة فانه لا یرجع فیها، ومن وهب هبة یری انه انما اراد بها الثواب فهو علی هبته یرجع فیها اذا لم یرض منها، قال یحیی سمعت مالكا یقول: الامر المجتمع علیه عندنا ان الهبة اذا تغیرت عند الموهوب له للثواب بزیادة او نقصان، فان علی الموهوب له ان یعطی صاحبها قیمتها یوم قبضها۔

■... حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس کسی نے کسی کو صلہ رحم یا صدقہ کے طور پر ہبہ کیا تو اس میں رجوع کرنا جائز نہیں۔ اور جس کسی نے ہبہ کیا اور اس سے مقصود اچھا رد عمل تھا تو وہ اپنے ہبہ پر اختیار رکھتا ہے۔ اس سے رجوع کر سکتا ہے جب وہ موہوب لہ کے طرز عمل سے راضی نہ ہو۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ بات متفق علیہ ہے کہ اچھے طرز عمل سے مشروط ہبہ میں اگر موہوب لہ کے ہاں کمی بیشی واقع ہو جائے تو موہوب لہ پر واجب ہے کہ وہ ہبہ کرنے والے کو اس دن کی رائج قیمت دے جس روز اس نے قبضہ کیا تھا۔

<u>وضاحت :</u>

ہبہ اگر اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے تو اس کا رجوع کرنا ایسا ہے جیسے قے کر کے خود اس کو چاٹنا۔ لیکن اگر آپ نے ہبہ اس لیے کیا ہے کہ موہوب لہ آپ کے ساتھ اچھا معاملہ رکھے گا، حسن سلوک سے پیش آئے گا تو یہ ہبہ کو خاص حالات سے مخصوص کر دینا ہے۔ اس صورت میں چونکہ ہبہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے اگر وہ شرائط پوری نہ ہوں تو ہبہ کو واپس لیا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ علمائے اہل مدینہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر موہوب لہ کے پاس ہبہ میں کچھ تغیر واقع ہو جائے اور اس کی قیمت میں کمی و بیشی ہو جائے تو ہبہ کی واپسی کی صورت میں واپسی کے روز اس کی قیمت کی تشخیص ہو گی اور ہبہ کے دن کی قیمت سے کمی و بیشی کا حساب ہو گا۔

القضافی العمری

(حین حیات کے لیے دی ہوئی چیز کے متعلق فیصلہ)

حدثنی مالک عن ابن شہاب عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن بن عوف عن جابر بن عبداللہ الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ایما رجل اعمر عمری لہ ولعقبہ فانہا للذی یعطاہا لا ترجع الی الذی اعطاہا ابدا لانہ اعطی عطاء وقعت فیہ المواریث۔

■ ... جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حین حیات کے لیے کسی کو کچھ دیا، اس کے اور اس کے اخلاف کے لیے، تو وہ اس کا ہو جائے گا جس کو دیا گیا ہے۔ وہ اس شخص کو اب کبھی نہیں لوٹے گا جس نے وہ دیا تھا، کیونکہ اس میں اب وراثت قائم ہو گئی۔

وضاحت:

عمریٰ سے مراد وہ چیز ہے جو کسی کو حین حیات استعمال کے لیے دے دی جائے۔ عمری کسی شرط کے ساتھ مشروط بھی ہو سکتا ہے۔ شرط اگر یہ ہے ''لک ولعقبک'' تمہارے لیے اور تمہارے اخلاف کے لیے، تو دینے والے کا حق اس پر سے ساقط ہو جائے گا اور عمری پانے والے کی وفات کی صورت میں وراثت لاگو ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس طرح کی بات نہیں کی گئی بلکہ یہ واضح کر دیا گیا کہ تم اس چیز کو اپنی یا میری زندگی تک استعمال میں لا سکتے ہو تو وہ چیز دونوں میں سے کسی ایک کی وفات کے بعد لوٹ آئے گی۔

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن عبدالرحمن بن القاسم انہ سمع مکحولا الدمشقی یسئال القاسم بن محمد عن العمری و ما یقول الناس فیہا، فقال القاسم بن محمد ما ادرکت الناس الا وھم علی شروطھم فی اموالھم و فیما اعطوا۔ قال یحیی سمعت مالکا یقول و علی ذالک الامر عندنا ان العمری ترجع الی الذی اعمرھا اذا لم یقل ھی لک ولعقبک۔

■ ... عبدالرحمن بن قاسم سے روایت ہے کہ انہوں نے مکحول دمشقی کو قاسم بن محمد سے عمری اور اس کے بارے میں لوگوں کے فتووں کے متعلق سوال کرتے سنا۔ قاسم بن محمد نے جواب دیا کہ میں نے تو لوگوں کو اپنے عطیوں اور مالوں کے معاملے میں اپنے اپنے شرائط ہی پر پایا۔ یحیی کہتے ہیں کہ امام

مالکؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ عمریٰ ہمیشہ دینے والے کی طرف لوٹ جائے گا، جب تک اس نے یہ وضاحت نہ کر دی ہو کہ یہ تیرے اور تیرے اخلاف کے لیے ہے۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ لوگ بالعموم کسی کو کوئی چیز استعمال کے لیے دیتے وقت شرائط عائد کر دیتے ہیں تو فیصلہ انہی شرائط کے مطابق ہو گا۔ یہ بات بالکل معقول ہے کیونکہ اس میں جائداد کی منتقلی کا سوال پیدا ہوتا ہے لہذا شرائط کی تصریح ضروری ہے۔ اگر کسی نے واضح شرائط عائد نہ کی ہوں تو پھر شبہ کا فائدہ دینے والے کو ملنا چاہیے، اگر وہ اس کا مدعی ہے۔

حدثنی مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمر ورث من حفصۃ بنت عمر دارھا۔ قال و کانت حفصۃ قد اسکنت بنت زید بن الخطاب ما عاشت فلما توفیت بنت زید قبض عبداللہ بن عمر المسکن ورای انہ لہ۔

■ ... حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے وراثت میں ان کا گھر پایا۔ حضرت حفصہؓ نے اس گھر میں زید بن خطاب کی لڑکی کو عمر بھر کے لیے ٹھہرا رکھا تھا۔ جب بنت زید کی وفات ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مکان پر قبضہ کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اسکے حقدار ہیں۔

وضاحت:

اس واقعہ میں اوپر والی روایت کی دلیل ہے کہ عمریٰ یا حین حیات ہبہ میں جب تک لک ولعقبک کی شرط نہ ہو، وہ دینے والے یا اس کے ورثا کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

باب القضافی اللقطہ

(گرے پڑے مال کے بارے میں فیصلہ)

حدثنی مالک عن ربیعۃ بن ابی عبدالرحمن عن یزید مولی المنبعث عن یزید بن خالد الجہنی انہ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ عن اللقطۃ، قال اعرف عفاصہا و وکاءھا ثم عرفہا سنۃ، فان جاء صاحبہا و الا فشانک بہا، قال فضالۃ الغنم یا رسول اللہ قال ھی لک او لاخیک او للذئب، قال فضالۃ الابل۔ قال مالک ولہا معہا سقاؤھا و حذاؤھا ترد الماء و تاکل

الشجر حتی یلقھاربھا۔

■... زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ گرے پڑے مال کا کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس چیز کا برتن اور بندھن پہچان رکھو اور ایک سال تک اس کو پہچنواؤ۔ اگر مالک آجائے تو اس کو دے دو ورنہ اس سے جو چاہو کرو۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر بکری ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس کا فائدہ تم اٹھاؤ گے یا تمہارا بھائی ورنہ بھیڑیا کھا جائے گا۔ اس نے کہا حضورؐ اگر اونٹ ہو؟ آپؐ نے فرمایا اس سے تمہیں کیا بحث؟ اس کا مشکیزہ اور جوتا اس کے ساتھ ہے۔ چشمے پر جا کر پانی پی لے گا۔ جنگل میں جا کر چرے گا۔ یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔

وضاحت:

گری پڑی چیز کے بارے میں سائل کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی اس چیز کو اٹھالے تو اس کے مالک کی تلاش میں اسے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھنی چاہیے۔ ایک سال تک اس کا اعلان کراتے رہنا چاہیے اور اگر مالک نہ ملے تب وہ چیز اس کی ہو جائے گی۔ چھوٹے جانور کی صورت میں مالک کے ملنے تک اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ ایسے بڑے جانور جو اپنا دفاع خود کر سکتے ہیں تو ان کو قبضہ میں لے کر خواہ مخواہ ان کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لینی چاہیے۔ مشکیزہ اور جوتا تعبیر ہے اس بات کی کہ اونٹ اپنا پیٹ خود بھر سکتا ہے اور اپنے پاؤں سے چل پھر سکتا اور خطرے کی صورت میں بھاگ سکتا ہے۔

حدثنی مالک عن ایوب بن موسیٰ عن معاویۃ ابن عبداللہ بن بدر الجہنی ان اباہ اخبرہ انہ نزل منزل قوم بطریق الشام فوجد صرۃ فیہا ثمانون دینارا فذکرھا لعمر بن الخطاب فقال لہ عمر عرفہا علی ابواب المساجد واذکرھا لکل من یاتی من الشام سنۃ، فاذا مضت السنۃ فشانک بہا۔

وحدثنی مالک عن نافع ان رجلا وجد لقطۃ فجاء الی عبداللہ بن عمر، فقال لہ انی وجدت لقطۃ فماذا تری فیہا؟ فقال لہ عبداللہ بن عمر عرفہا۔ قال قد فعلت۔ قال زد قال قد فعلت فقال عبداللہ بن عمر لا آمرک ان تاکلہا ولو شئت لم تاخذھا۔

■... عبداللہ بن بدر جہنی کہتے ہیں کہ ان کے باپ نے ان کو خبر دی کہ شام کے راستے میں وہ ایک منزل پر اترے۔ وہاں ان کو ایک تھیلی ملی جس میں اسی (۸۰) دینار تھے۔ انہوں نے اس کا ذکر حضرت

عمرؓ سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ مسجدوں کے دروازوں پر اس کا تعارف کراؤ اور ہر اس شخص سے جو شام سے آئے اس کا ذکر کرو۔ جب ایک سال گزر جائے تو اس کے بعد اس سے جو چاہو کرو۔

نافع کہتے ہیں کہ ایک شخص کو گرا پڑا مال ملا۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا کہ میں نے پڑا ہوا مال پایا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا فتوے دیتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ اس کا اعلان کرو۔ اس نے کہا یہ تو میں کر چکا۔ انہوں نے کہا اور کراؤ۔ اس نے کہا، بہتیرا کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میں یہ اجازت تو نہیں دے سکتا کہ تم اس کو ہڑپ کر لو۔ اگر چاہتے تو نہ اٹھاتے۔

القضاء فی الضوال
(گمشدہ یا آوارہ جانوروں کے متعلق فیصلہ)

حدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن سلیمان بن یسار ان ثابت بن الضحاک الانصاری اخبرہ انہ وجد بعیرا بالحرۃ فعقلہ، ثم ذکرہ لعمر بن الخطاب فامرہ عمر ان تعرفہ ثلاث مرات، فقال لہ ثابت انہ قد شغلنی عن ضیعتی، فقال لہ عمر ارسلہ حیث وجدتہ۔ وحدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب قال: وھو مسند ظہرہ الی الکعبۃ من اخذ ضالۃ فھو ضال۔ وحدثنی مالک انہ سمع ابن شہاب یقول: کانت ضوال الابل فی زمان عمر بن الخطاب ابلا مؤبلۃ تناتج لا یمسہا احد۔ حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بتعریفہا ثم تباع، فاذا جاء صاحبہا اعطی ثمنہا۔

■... ثابت بن ضحاک انصاری نے خبر دی کہ ان کو حرۃ کے علاقہ میں ایک اونٹ ملا تو انہوں نے اس کو باندھ چھوڑا۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ سے ذکر کیا تو انہوں نے حکم دیا کہ آپ تین مرتبہ اس کا اعلان کریں۔ ثابت نے ان سے کہا کہ اس نے تو میرا اپنا کاروبار درہم برہم کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر اسے جہاں پایا ہے وہیں لے جا کر چھوڑ دو۔

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے، جب وہ خانہ کعبہ سے اپنی کمر کی ٹیک لگائے ہوئے تھے، فرمایا کہ جس کسی نے گمشدہ جانور کو ہڑپ کر لیا وہ گمراہ آدمی ہے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کھوئے ہوئے اونٹوں کا ایک ریوڑ بن گیا تھا جس سے بچے پیدا ہونے لگ گئے۔ کوئی ان کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ان کا اعلان کرایا جائے، پھر ان کو بیچ دیا جائے۔

وضاحت :

اوپر گری پڑی چیزیا آوارہ جانور کے بارے میں کل چھ روایات نقل ہوئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر حضرت عثمانؓ کے دور تک گمشدہ مال ومتاع کے متعلق احکام میں تدریجی ارتقاء ہوا ہے۔ صرف پہلی روایت مرفوع حدیث ہے۔ باقی سب صحابہ کے آثار ہیں۔ گری پڑی چیز کے متعلق تو یہ ہوا کہ ایک سال تک اعلان کرنے کی شرط کو لوگوں نے مشکل سمجھا اور یہ رجحان پیدا ہو گیا کہ گری پڑی چیز کو نہ ہی اٹھایا جائے۔ اعلان کے بکھیڑے میں نہ پڑنا ہی بہتر ہے۔ گمشدہ اونٹ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پکڑنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنا زادو راحلہ ساتھ لیے ہوتے ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس جب یہ مسئلہ آیا تو انہوں نے حکم دیا کہ تین مرتبہ مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کیا جائے۔ جب پکڑنے والے صاحب نے کہا کہ اس چکر میں کون اپنا کاروبار خراب کرے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کو جہاں سے پکڑا تھا وہیں چھوڑ دو۔ اس کے بعد کوئی گمشدہ اونٹ کو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ریوڑ بن گیا اور افزائش نسل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ صورت حال لوگوں کے لیے دردسر بن گئی تو حضرت عثمانؓ کے دور میں پھر یہ فیصلہ ہوا کہ اونٹ کا اعلان کرنے کے بعد اس کو فروخت کر دیا جائے اور جب مالک آئے تو اس کو قیمت دے دی جائے۔

اس زمانے میں حکومت نے مویشی خانے یا کانجی ہاؤس بنا رکھے ہیں جہاں آوارہ جانوروں کو رکھا جاتا ہے۔ مالک اگر آتا ہے تو خرچہ کی رقم ادا کر کے مویشی لے جا سکتا ہے۔ یہ اچھا انتظام ہے۔ بشرطیکہ ایمانداری سے چلایا جائے۔ مجھے حضرت عثمانؓ کا طریقہ درست معلوم ہوتا ہے۔

صدقۃ الحی عن المیت

(زندہ کا مردہ کی طرف سے صدقہ)

حدثني مالک عن سعید بن عمرو بن شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادة عن ابیه عن جده انه قال: خرج سعد بن عبادة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم في بعض مغازیه فحضرت امه الوفاة بالمدینة فقیل لها اوصي، فقالت فيم اوصي انما المال لسعد فتوفیت قبل ان یقدم سعد، فلما قدم سعد بن عبادة ذکر ذلک له، فقال سعد یا رسول الله هل ینفعها ان اتصدق عنها؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم نعم، فقال سعد حائط کذا و کذا صدقة عنها لحائط سماه۔

… سعید بن عمرو اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوۃ میں نکلے۔ اس دوران میں مدینہ میں ان کی والدہ کی وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے وقت ان سے کہا گیا کہ آپ کچھ وصیت کر دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں کس چیز میں وصیت کر سکتی ہوں۔ سارا مال تو سعد کا ہے۔ سعد کی واپسی سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ جب سعد بن عبادہ آئے تو ان سے اس بات کا ذکر کیا گیا۔ سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ سعد نے کہا کہ فلاں فلاں باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے اور باغ کو انہوں نے نامزد کر دیا۔

وضاحت :

سعد بن عبادہ مسلمانوں کے ایک بڑے لیڈر ہیں۔ یہ ان کا واقعہ ہے۔ ان کی والدہ کی وفات کے وقت لوگوں نے کہا کہ اگر آپ کچھ وصیت کرنا چاہتی ہیں تو کر دیں۔ انہوں نے کہا کس طرح وصیت کروں۔ مال تو سعد کا ہے۔ یعنی اگر سعد موجود ہوتے تو میں کچھ کہتی، ان کی عدم موجودگی میں کیا وصیت کروں۔ ان کی وفات کے بعد جب سعد آئے تو ان کو والدہ کا یہ جواب بتایا گیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں والدہ کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ چنانچہ انہوں نے ایک باغ ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اولاد اپنے والدین کی طرف سے صدقہ کرے تو آخرت میں وہ ان کے کام آئے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد حقیقت میں اپنے ماں باپ کے عمل میں شریک ہوتی ہے اس لیے کہ وہ ان کی تربیت میں پروان چڑھتی اور انہی کی تربیت سے نیکی اور بدی سیکھتی ہے۔ لہذا عام حالات میں بھی اولاد کے نیک اعمال میں سے والدین کو کچھ حصہ ملتا ہے۔ اولاد اگر خاص طور پر والدین کی طرف سے کوئی نیکی کرے تو ان کو اس کا ثواب بدرجہ اولیٰ ملنا چاہیے۔ لیکن والدین کو اولاد کے عمل کے فائدہ کا تعلق صرف انہی معاملات سے ہے جن میں آدمی کا نیکی کر کے والدین کا کوئی حق ادا کرنا ممکن ہے۔ چنانچہ والدین نے اگر نماز نہیں پڑھی تو اولاد نماز پڑھ کر ان کا فرض ادا نہیں کر سکتی۔ حج بدل کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ کرائے کا حج بدل کوئی چیز نہیں، لیکن اگر کسی کے ماں باپ کو حج کی خواہش رہی لیکن ان کے پاس اس کے وسائل نہیں تھے، اولاد کے پاس ذرائع ہیں تو ان کی خواہش کی تکمیل میں اولاد حج کرے گی تو والدین کو ثواب ضرور ملے گا۔

رہے روزمرہ کے معاملات جن کے متعلق اندیشہ ہو کہ ان میں والدین سے کوتاہی ہوئی ہے تو

میرے نزدیک اگر اولاد وقتاً فوقتاً اپنے نوافل میں والدین کا کچھ حق رکھے تو اس کا ثواب ان کو ملے گا۔ تو جہاں تک اولاد کا تعلق ہے ان کے اعمال کا ثواب والدین کو ملتا ہے، دوسروں کے اعمال کا نہیں۔

حدثنی مالک عن ہشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسہا و اراہا لو تکلمت تصدقت افا تصدق عنہا؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم۔

... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضور، میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر وہ بات کر سکتیں تو کچھ صدقہ کرتیں۔ اب کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں

<u>وضاحت :</u>

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہی اوپر والی روایت ہے لیکن میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ الگ ہے۔ بات اس میں بھی وہی ہے کہ اگر اولاد والدین کی طرف سے صدقہ کرے گی تو بے شک وہ قبول ہو گا۔ اولاد کا عمل یوں بھی قبول ہوتا ہے۔ اس میں سے والدین کو حصہ ملتا ہے۔ بشرطیکہ اس نیکی میں ان کی تربیت کو دخل رہا ہو، مثلاً والدین نے ان کو تعلیم دلائی اور اس تعلیم کے فیض سے وہ کوئی نیکی کرتی ہے۔ عام تربیت کے اندر بھی ماں باپ کا حصہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اولاد کی نیکی حقیقت میں والدین کی کمائی میں شامل ہے۔

حدثنی مالک انہ بلغہ ان رجلا من الانصار من بنی الحارث بن الخزرج تصدق علی ابویہ بصدقة فہلکا فورث ابنہما المال، وہو نخل فسئال عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: قد اجرت فی صدقتک وخذہا بمیراثک

... امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ انصار کے قبیلہ بنو حارث بن خزرج کے ایک شخص نے اپنے ماں باپ پر صدقہ کیا۔ پھر دونوں کی وفات ہو گئی تو بیٹے کو وہی مال وراثت میں ملا اور یہ کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مسئلہ پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو صدقے کا اجر بھی مل گیا اور اب وراثت میں یہ باغ بھی پاؤ۔

(بقیہ صفحہ ۴۸ پر)

افادات فراہیؒ

خالد مسعود

اصول تفسیر کو مدون کرنے کی ضرورت

<u>تفسیر صدر اول میں :</u>

قرآن حکمت اور معارف کے ایسے خزانے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جن کا احاطہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے بس میں نہیں۔ ان خزانوں تک رسائی کے لیے قرآن نے متعدد آیات میں کتاب اللہ میں غور و فکر کو واجب قرار دیا ہے۔ تعلیم قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں بھی داخل تھی۔ اس لیے آنحضرتؐ نے غور و فکر اور نتائج اخذ کرنے کے طریقوں کی تعلیم بھی دی۔ قرآن کی تفسیر کے ضمن میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ منقول ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں ان کے تقویٰ، زبان دانی اور شان نزول کے علم کے باعث آیات کی تاویل بالعموم ایک ہی تھی۔ ان کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ بہت سے صحابہ جب قرآن کی تفسیر بیان کرتے تو وہ علم کا ایک سمندر نظر آتے اور ان کے بیان کردہ نکات موسلا دھار بارش کی مانند ہوتے۔ وہ بیان کرتے تو ساتھیوں کے سینوں کو علم و حکمت سے بھر دیتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے سامعین وہ سب کچھ جو انہوں نے صحابہ کرام سے سنا، پچھلوں کو منتقل کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ اس لیے صحابہ کرام سے تفسیر قرآن کے طور پر جو کچھ مروی ہے اس کی مقدار بہت کم ہے۔ البتہ راویوں نے اس پر اضافہ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال سے کیا ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کے ہاں آیات کی تاویل میں کہیں کہیں اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تاویل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ نہ تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس میں اختلاف کا پایا جانا محال تھا۔ ان کے ہاں تاویل کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ قرآن خود بے شمار پہلوؤں کا جامع ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے اپنے عقلی مدارج میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کے فتویٰ میں بھی اختلاف موجود پاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحابہ و تابعین نے قرآن کی تفسیر ناقص رائے کی روشنی میں اور نفسانی خواہشات کے تحت کی بلکہ ان کی اختیار کردہ تاویل

علم صحیح اور نظر صحیح کے مطابق تھی۔ وہ ان تاویلات تک ایک تو اپنی زبان دانی کے ذریعہ پہنچے، دوسرے انہوں نے نظائر آیات کا سہارا لیا اور تیسرے سنت کا علم ان کا ممد ومعاون ہوا۔ ان وسائل کے ساتھ ساتھ تاویل انہوں نے اس بصیرت کی روشنی میں کی جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرمایا کرتا ہے۔ ان کے تفسیری نکات جمع کرنے والوں نے ان کے تدبر کے اصول جمع نہیں کئے۔ اگر ہمیں ان اصولوں تک رسائی حاصل ہو سکتی تو کتاب اللہ پر غور کرنے کے لیے ہمیں ایک عمدہ نمونہ میسر آ جاتا۔

تفسیر میں الجھاؤ کے اسباب:

تابعین سے بعض شان نزول مخفی رہ گئے تو انہوں نے قرآن کی تاویل آیات اور آثار صحابہ کی روشنی میں کی۔ اس میں انہوں نے گویا دو بنیادوں کا سہارا لیا۔ ایک یہ کہ قرآن کا کوئی حصہ دوسرے حصے کا مخالف نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور صحابہ کرام کا عمل قرآن کے موافق تھا۔ اس دور میں جو اختلاف پیدا ہوا وہ ایک ہی معنی کے دو مختلف پہلو مراد لے لینے کے باعث پیدا ہوا۔ ایسا مفہوم حقیقت سے دور نہیں لے جاتا۔ البتہ اس دور میں ضعیف روایات بکثرت پھیل گئیں اور لوگوں نے تفسیر میں ان پر اعتماد کر لیا۔ یہیں سے تفسیر کی کتابوں میں یہودیوں اور دجالوں کی موضوع روایات کو داخل ہونے کا موقع ملا۔ اس کے بعد جب اہل سنت نے دیکھا کہ بدعت اور باطل کے علم بردار قرآن کی تاویل اپنی خواہش کے مطابق کرنے لگے ہیں اور وہ قرآنی نصوص کو وہ معانی پہناتے ہیں جو اصل میں مراد نہیں ہیں تو انہوں نے صحابہ و تابعین سے مروی تفسیر کے علاوہ دوسروں کے تفسیری اقوال میں دلچسپی لینے سے اجتناب کیا۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے یہ کام فتنہ کے دروازے بند کرنے کے لیے کیا اور اس کا طریقہ تھا بھی یہی، کیونکہ جب تک تاویل کی بنیاد ایسے قواعد پر نہ رکھی جائے جو حق اور باطل کو الگ الگ کر دیں تو یہ محض رائے پر مبنی تفسیر کی راہ نہیں روک سکتی۔

اس کے بعد وہ دور آیا جس میں فلسفہ کا زور ہوا اور عقائد میں اختلاف رائے سامنے آیا۔ اس دور میں لوگوں نے کلامی انداز میں کتابیں تصنیف کیں اور خیال کو بے قابو کر دیا۔ ہر فرقہ نے روایات اور فلسفہ میں سے اس چیز کو لے لیا جو اس کو پسند آئی۔ اس کے نتیجہ میں تاویل کے اتنے متعدد پہلو سامنے آئے کہ واضح امور بھی مشتبہ نظر آنے لگے۔ اب تفسیر کی راہیں تاریک اور قرآن کا دروازہ بند ہو گیا۔ راویوں کی کثرت اور روایات کے اختلاف کے باعث فیصلہ کن صحیح تاویل گم ہو گئی۔

سیاسی ضرورت کے تحت بھی قرآن کی نہایت کمزور تاویلات کی گئیں اور بحث کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اسلام میں حکومت کا آغاز نبوت اور خلافت راشدہ کی آغوش میں ہوا تھا۔ لوگ

تمام فیصلے کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی روشنی میں کیا کرتے اور اس سے ہرگز پہلو تہی نہ کرتے۔ چنانچہ سیاسی ضابطوں کی بنیاد بھی اللہ کے حکم پر رکھی گئی۔ بعد میں جب خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی جو بادشاہوں کے مشابہ تھے تو ان پر بھی احکام شریعت کی اتباع لازم تھی۔ وہ مجبور ہوئے کہ جزوی احکام کی تدوین کے لیے علماء کی خدمات حاصل کریں۔ علماء کے لیے یہ ذمہ داری آسان نہ تھی کہ وہ اپنے پاس سے نئے نئے فیصلے کرتے رہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تکمیل کا اعلان فرما دیا تھا۔ مزید براں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے بھی عملاً دکھا دیا تھا کہ ہر معاملے میں شریعت کو کیسے لازم پکڑنا ہے۔ چنانچہ ان علماء نے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث پر قیاس اور رائے کے استعمال کی راہ اختیار کی لیکن یہ کام اختلاف روایات کے باعث ان کے لیے ایک بھاری بوجھ ثابت ہوا۔ ان میں سے بعض علماء، اکثر محدثین کی طرح، تنقید کے بعد احادیث کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ اس کا سبب ان کا یہ علم تھا کہ پیغمبر کا کلام قرآن کے موافق ہونا لازم ہے۔ اسی طرح صحابہ کا کلام پیغمبر کے کلام کے مطابق ہونا لازم ہے۔ چنانہ ان کو احادیث میں سہولت نظر آئی۔ اس میں خطرہ کم تھا۔ انہوں نے حدیث کو اصل مان لیا اور اس کی مدد سے قرآن کی تفسیر کی۔ اس طرح قرآن کی باگ حدیث کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اب انہیں قرآن کا حقیقی مفہوم سمجھنے سے دلچسپی نہ رہی اور انہوں نے قرآن کی تاویل، اس کی آیات کے مفہوم کے خلاف کر دی۔ حالانکہ صحیح طرز عمل یہ تھا کہ وہ احادیث کی تاویل قرآن کی روشنی میں کرتے۔ کیونکہ قرآن ایک مرکز کی مانند ہے۔ احادیث مختلف جہتوں سے اس کی طرف رخ کرتی ہیں۔ بظاہر متضاد روایات کی تاویل اگر قرآن کی روشنی میں کی جائے تو وہ ایک دوسرے کے موافق ہو جاتی ہیں۔

مشہور کتب تفسیر کی حیثیت:

مشاہیر نے جو تفاسیر مرتب کی ہیں ان میں سے ہر تفسیر کا ایک خاص مقصد ہے۔ لہٰذا ان میں وہ چیز تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے جو ان میں نہیں ہے۔ ان تفاسیر کے ہر قاری کے لیے ان کے انداز اور مقصد کو جاننا لازم ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر ہر اس چیز کی جامع ہے جو نقل کے ذریعے ان تک پہنچی۔ وہ روایات پر تنقید نہیں کرتے البتہ تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک درست مفہوم کیا ہے۔ جہاں ممکن ہوتا ہے وہ ایسا مفہوم متعین کر دیتے ہیں جو روایات کے ذریعے پہنچنے والے مفاہیم کا جامع ہو۔ وہ لغت اور اعراب کی بحث بھی کرتے ہیں جس میں ان کا اعتماد کلام عرب پر ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کی بنا پر علماء کے ہاں اس تفسیر کو قبول حاصل ہوا ہے۔ روایات پر مبنی تفاسیر میں

سب سے اچھی تفسیر یہی ہے اور اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کی مانند کوئی دوسری تفسیر تصنیف نہیں کی گئی۔ جہاں تک قرآن کی روشنی میں روایات کو پرکھنے یا عقل اور تاریخ کے حوالے سے ان پر غور کرنے کا تعلق ہے یہ چیز اس تفسیر میں نہیں ملتی بلکہ نہایت ہی مجہول باتیں اس میں جمع ہو گئی ہیں جن پر امام صاحب نے توجہ دلانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ یہ کام انہوں نے اہل نظر کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتے تو شائد اس عظیم تفسیر کو مکمل کرنا ان کے لیے آسان نہ ہوتا۔

تفسیر ابن کثیر ابن جریر کی تفسیر کا خلاصہ ہے۔ اس میں محدثین کے اصول پر روایات کی تنقید کی گئی ہے اور تاویل پر تنقید بھی اس میں شامل ہے۔ باقی رہی تنقید ان پہلوؤں سے جن کا حوالہ ہم نے اوپر دیا ہے تو محدثین کی تفاسیر میں اس کی تلاش بے سود ہے۔

تفسیر رازی، تفسیر ابن جریر کی مانند، اقوال کی جامع ہے لیکن اس میں اقوال متکلمین کے ہیں۔ اس میں قرآن کے بعض ایسے معارف واضح ہوئے ہیں جو اگرچہ آیات میں موجود تھے لیکن سلف سے مروی تفسیر میں وہ کہیں بیان نہیں ہوئے تھے۔ دوسری طرف امام صاحب نے قرآن کو ایک متشابہ کتاب قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ایسی گنڈ مڈ ہے کہ اس کے فہم کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک اس کی تاویل کے بکثرت پہلو ہونا ہے۔ جب کہ ہر قابل فہم کلام کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے، مزید براں رازی نے قرآن کی دلالت کو ظنی قرار دیا ہے۔ مثلاً آیت اذا جاء نصر اللہ والفتح میں وہ فتح سے مراد فتح مکہ، فتح طائف، فتح خیبر، فتح عام، فتح علوم اور فتح معقولات سب لیتے ہیں۔ امام صاحب ابن جریر کی طرح کہیں کہیں درست تاویل کو ترجیح دیتے ہیں اور اشاعرہ کے مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ اس تفسیر کی بڑی خوبی اقوال متکلمین کا جامع ہونا ہے۔ چنانچہ ایک غور کرنے والا قاری اس میں سے ت...یات کو منتخب کر سکتا اور اس کی روشنی میں خود غور کر سکتا ہے۔ امام رازی غور و فکر میں بہت دور تک نہیں جاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اقوال کی کثرت ان کے ہاں ممکن نہ ہوتی۔ لہٰذا اس کی ان کے ہاں توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ تفسیر کے اسی کمزور پہلو کے باعث ابن جریر کی طرح اس میں بھی غث و سمین، خلط ملط اور نہایت ہی بھونڈی باتیں داخل ہو گئی ہیں۔

زمخشری اپنی تفسیر میں قرآن کی عبارت پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ اس سے وہ ہٹنے نہیں پاتے۔ وہ لغت، اعراب، ربط کلام ہر چیز سے بحث کرتے ہیں۔ وہ کلام کو طول دیے بغیر معتزلہ کے مذہب کی تائید کرتے ہیں اور روایات بہت کم لاتے ہیں۔ اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات میں اس کا مختصر ہونا اور لغت و اعراب کی تحقیق کی غلطیوں کا کم ہونا ہے۔ لہٰذا یہ تفسیر طالب علموں کے لیے زیادہ مفید ہے۔

ابن جریر اور امام رازی کی تفاسیر کو مسلمانوں کے اندر قبول عام حاصل ہوا ہے۔ البتہ علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ان دونوں تفاسیر میں مضبوط اور کمزور دونوں قسم کی چیزیں موجود ہیں۔ لہٰذا ایک

قاری کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ان تفاسیر کو تنقیدی نظر سے پڑھے۔

الفاظ قرآن کی دلالت کے بارے میں امام رازی کے موقف کا جائزہ :

قرآن کی نص کے ذریعے ہمیں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو محکم بنایا اور اس کی آیات کی تفصیل و تبیین کی۔ اس نے قرآن کو قرآن مبین اور فیصلہ کن قول کا نام دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ قرآن کے اندر کچھ آیات متشابہات ہیں جن کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ جب تفسیر قرآن میں اختلاف پیش آیا اور لوگوں نے ایک دوسرے کے قول کو رد کرنا شروع کیا تو اس سے یہ گمان ذہنوں پر غالب آ گیا کہ قرآن اپنی دلالت میں قطعی نہیں اور کسی کلام کے بارے میں اس کی بنیاد نقل پر ہونے کے باعث کوئی یقینی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ بحث امام رازی نے اپنی تفسیر میں سورۃ آل عمران کی آیت 6 کے تحت کی ہے۔

اس کے بعد لوگوں کا معاملہ یہاں تک چلا گیا کہ جہاں انہوں نے اپنے دلائل کے مخالف کچھ آیات دیکھیں ان کو متشابہات قرار دے دیا۔ نتیجتاً ایک ہی آیت ایک فرقہ کے نزدیک محکم اور دوسرے فرقہ کے نزدیک متشابہ قرار پائی۔ امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا:

"یہ ایک سنگین صورت حال ہے۔ اہل مذاہب میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ آیات جو اس کے مذہب کے موافق ہیں محکم ہیں اور وہ جو حریف کے مذہب کے موافق ہیں متشابہ ہیں۔ ایک معتزلی کے نزدیک آیت فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر محکم اور آیت وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العلمین متشابہ ہے۔ اہل سنت کے ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پس لازم ہے کہ کوئی قانون ہو جس کا لوگ سہارا لیا کریں"۔

اس کے بعد امام صاحب لسانی دلائل کے ظنی ہونے پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"اس مضبوط تحقیق کے بعد ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب یہ بات قطعی دلائل سے ثابت ہو چکی کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنی پر قائم رکھنا محال ہے تو قرآن کی تاویل معین کرنے میں نکتہ طرازیاں کرنا جائز نہیں ٹھہرتا۔ یہی بات ہمارے اس باب کا نچوڑ ہے اور اللہ ہدایت اور رہنمائی دینے والا ہے"۔

امام صاحب کا یہ کہنا کہ یہ ایک سنگین صورت حال ہے کتنی پکی بات ہے۔ اسی طرح تاویل کے معین کرنے میں نکتہ طرازیوں کو جائز نہ ٹھہرانا کتنا پسندیدہ ہے۔ لیکن جب تک محکم کو متشابہ سے ممیز نہ کیا جا سکے فتنہ کا دروازہ تو کھلا رہا۔ بدترین صورت حال وہاں پیش آتی ہے جہاں ایک فرقہ کے ہاں محکم مانی جانے والی آیت دوسرے فرقہ کے ہاں متشابہ ٹھہرتی ہے۔ اہل سنت نے تو آیت لا یکلف اللہ نفسا

الا وسعہا کو بھی متشابہات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" جب ایک مسئلہ قطعی اور یقینی ہو اس میں کمزور ظنی دلائل کے ساتھ کوئی رائے دینا جائز نہیں۔ اس کی مثال آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا میں ملتی ہے "۔

اس کے بعد انہوں نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے طور پر پانچ قطعی دلیلیں یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کی ہیں کہ اس طرح کی تکلیف تو واقعہ میں موجود ہے جب کہ آیت اس کی نفی کرتی ہے، اور نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد وہ نہیں ہو سکتی جو اس آیت کے ظاہر سے سمجھی جاتی ہے۔

اس کے باوجود اگر ہمارے پاس اس مزعومہ قطعی دلیل تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہوتا تو ہم اس کی طرف مائل ہوتے اور وہ ہمارے درمیان فیصلہ کن ثابت ہوتی۔ لیکن امام صاحب نے جس چیز کو قطعی دلیل اور برہان قرار دیا ہے وہ خود شدید بحث کی زد میں ہے۔ یہ کیا موقف ہوا کہ انہوں نے قرآن کو تو غیر قطعی قرار دے کر اس سے اپنی امیدیں توڑ لیں اور سہارا لیا تو ایسی برہان کا جو پینے والے کی پیاس ہی میں اضافہ کرتی ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ہم اختلاف و انتشار میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ امام صاحب کی تجویز کردہ اس " قطعی دلیل " سے ناامید ہو جانے کے بعد اب وقت آگیا ہے کہ آغاز میں جس چیز سے ہم سوء ظن میں مبتلا تھے اب اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لیں اور اس بات پر ایمان رکھیں کہ قرآن اپنی دلالت میں قطعی اور دو ٹوک فیصلہ کرنے والا ہے۔

باقی رہی متشابہات پر گفتگو تو ان کی حقیقت کو واضح کرنا ہم پر واجب ہے۔ یہ بحث اپنے مقام پر آگے آئے گی۔۔ بہرحال میرے نزدیک قرآن مجید بالکل قطعی الدلالت ہے۔ ہر آیت میں مختلف معانی کا احتمال محض ہماری قلت علم و تدبر کا نتیجہ ہے۔ جن علماء نے اپنی تفسیروں میں بہت سے اقوال نقل کر دیے ہیں ان کا منشا یہ ہے کہ آیت کی تاویل میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو ہمارے سامنے رکھ دیں۔ اس میں سے قول راجح کا انتخاب انہوں نے ہماری تمیز پر چھوڑا ہے۔ پس یہ بات جائز نہیں ہے کہ ہم بغیر کسی ترجیح و انتخاب کے تمام رطب و یابس یاد کر چھوڑیں اور پھر حیرانی و سرگشتگی کی وادیوں میں ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ مثال کے طور پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں بقرہ کی آیت 191 کے تحت لفظ فتنہ کے معنی دیکھو۔ انہوں نے اس کے پانچ معانی بتائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب صحیح نہیں ہیں۔ اقوال کی کثرت تو ایک طالب کو بالکل حیران و درماندہ کر دیتی ہے۔ بسا اوقات لوگ مجرد اقوال نقل کر دیتے ہیں، ان کے دلائل بیان نہیں کرتے۔ یہ ان اقوال کے کہنے والوں اور ان کے سننے والوں دونوں پر نہایت کھلا ہوا ظلم ہے۔ میں نے اپنی تفسیر نظام القرآن میں آیات کے معانی تفسیر کی کتابوں سے نہیں لیے ہیں بلکہ خود آیات پر ان کے سیاق و سباق اور ان کی مماثل آیات کی روشنی میں غور کیا ہے۔

اس طرح جب چند آیتوں کے معنی روشن ہو گئے ہیں تب میں نے تفسیر رازی یا تفسیر طبری اٹھائی ہے۔ ان میں کبھی تو ایسا ہوا کہ کوئی قول سلف کا میرے موافق مل گیا، کبھی میں سلف کے قول کے بالکل قریب قریب پہنچ گیا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ جو معنی میری سمجھ میں آتے تھے ان سے مجھے رجوع کرنا پڑا اور ایسا بھی بارہا ہوا کہ کوئی مشکل ایسی پیش آ گئی جس کے لیے مجھے عرصہ تک توقف کرنا پڑا۔ لیکن ہر حال میں اشکال و ابہام کو میں نے اپنے علم و فہم کی کوتاہی اور غلط راویوں کی عامیانہ تقلید ہی پر محمول کیا۔

اگر تم کو اس بات پر تعجب ہو کہ ایک بالکل کھلی ہوئی اور واضح چیز میں ابہام و اشکال کا کیا ذکر، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کثافت پر تمہاری نظر نہیں ہے جس کی تہوں پر تہیں ہمارے اوپر ڈھادی گئی ہیں۔ کتنے کھلے ہوئے حقائق ہیں جن میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن جن طبیعتوں پر تاریکی چھائی ہوئی ہے وہ ان کے دیدار سے محروم ہیں۔ وجود باری میں، اس کی وحدانیت و یکتائی میں، روح کی جسم پر حکومت میں، روز جزا میں، ایک صاحب بصیرت کے لیے کہاں شک کی گنجائش ہے؟ لیکن دیکھتے ہو کہ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو وجود باری اور توحید باری وغیرہ جیسے حقائق میں بھی شک کرتے ہیں، پھر دوسرے مسائل کا کیا ذکر۔ یہ بات بھولنی نہیں چاہیے کہ جس طرح حواس کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، اسی طرح عقل کو بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، اور جب وہ بیماریاں اس کو لاحق ہو جاتی ہیں تو واضح سے واضح حقیقت بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ باتیں عقل و حواس کو تندرست فرض کر کے کہی جاتی ہیں۔ تو جو عقل مبتلائے امراض ہو گی وہ ان کو کیسے سمجھ سکتی ہے؟ سورج چمک رہا ہے، شکر میٹھی اور سفید ہے، ایک سلیم الحواس انسان ان باتوں میں ایک لمحہ کے لیے بھی شک نہیں کرے گا لیکن کیا ایک اندھے، ایک احول اور ایک تپ زدہ کا بھی یہی حال ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ قبول رشد وہدایت میں سب کا حال یکساں نہیں ہو سکتا۔ قرآن شریف کی نسبت فرمایا ہے۔ ھدی للمتقین (یہ پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے) دوسری جگہ فرمایا ہے"

واذا قرات القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یومنون بالآخرۃ حجابا مستورا۔ (بنی اسرائیل۔ ۴۵)

(جب تم قرآن سناتے ہو تو ہم تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک کثیف پردہ ڈال دیتے ہیں)

سقراط کا قول مشہور ہے کہ نفس کو تمام حقائق معلوم ہیں لیکن اس پر نسیان طاری ہے۔ مولانا روم کا مقولہ ہے کہ اپنے نفس کی تاویل کرو، قرآن کی تاویل نہ کرو۔ خواجہ حافظؒ کا ارشاد ہے کہ سب سے بڑا حجاب تمہارا نفس ہے، اس کو دور کرو۔ ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟ بہرحال ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن نے ادائے مطلب کے لیے وہی اسلوب اختیار کیے ہیں جو سب سے زیادہ واضح، سب سے زیادہ اقرب اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے، اور جہاں کہیں کسی اسلوب میں کوئی تصرف کیا ہے تو کسی اہم فائدے

کے لیے کیا ہے۔

تفسیر بالرائے کے باب میں علماء کا موقف :

قرآن میں تفکر و تدبر کی راہ میں ایک رکاوٹ یہ چیز بنی کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر قائم ہو گیا کہ تفسیر قرآن میں کوئی قول اگر سلف سے مروی نہیں ہو گا تو وہ تفسیر بالرائے ہو گی اور ایسی تفسیر کرنا دین میں ممنوع ہے۔ اوپر ہم واضح کر چکے ہیں کہ آیات کی تاویل میں اختلاف صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے قرآن میں تدبر و تفکر کو ممنوع نہیں سمجھا۔ اسی طرح امام رازی کی تفسیر میں بھی ایسے معارف قرآنی سامنے آتے ہیں جو سلف سے مروی تفسیریں کہیں بیان نہیں ہوتے۔ لیکن یہ معارف قرآن کی آیات ہی سے ماخوذ ہیں۔ درحقیقت تفسیر بالرائے وہ ہے جس کی سند نہ قرآن میں ملتی ہو، نہ سنت میں اور نہ عربی زبان میں۔

رہا علماء کا یہ قول کہ وہ تفسیر جو سلف سے منقول نہیں تفسیر بالرائے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص منقول تفسیر کو ترک کر دے گا اس کے لیے عین ممکن ہے کہ اوہام میں مبتلا ہو کر کسی باطل ہی کو عقل کے مطابق سمجھ کر اس کو اختیار کر لے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی بات انہوں نے فقہی امور میں کہی کہ جو شخص فتوئ میں سلف کی تقلید نہیں کرتا اور اپنی عقل کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے وہ جادہ شریعت سے دور نکل جانے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ علماء کا یہ قول اس بات پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کہ تفسیر میں اسباب نزول اور ان کے مواقع کو جہاں بیان کرنے کی ضرورت ہے وہاں ان کو لیا جائے۔ اس ضمن میں جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نقل سے جو کچھ لیا جائے اس کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ لیا جائے اور وہی چیز اختیار کی جائے جو صحیح اور ثابت ہو۔ علماء کے اس قول کو ان معانی پر محمول نہیں کیا جائے گا کہ قرآن کی دلیلوں پر غور و فکر ترک کر دیا جائے یا آیات کو ان کے نظائر کی روشنی میں نہ دیکھا جائے یا جو چیز منقول مل جائے اس کے صحیح و سقیم میں امتیاز کیے بغیر اس پر اعتماد کر لیا جائے یا قرآن پر تدبر کی روش ترک کر دی جائے اور اس کے معانی نہ سمجھے جائیں۔ صحیح رویہ یہ ہے کہ سلف سے جو کچھ منقول ہے اس کو نگاہ میں رکھا جائے تاکہ جہاں اپنے نتائج فکر کے ساتھ موافقت پائی جا رہی ہو وہاں تائید حاصل ہو سکے اور جہاں مخالفت پائی جا رہی ہو وہاں دوبارہ سہ بارہ غور و فکر کیا جا سکے تاآنکہ خود کلام کے مفہوم پر دل مطمئن ہو جائے، کیونکہ کلام ہی سب سے زیادہ قابل اعتماد اور خطا سے پاک ہے۔ اسی لیے علماء نے یہ کہا ہے کہ بہترین تفسیر وہ ہے جو خود قرآن سے ماخوذ ہو۔

اصول تفسیر پر کام کی ضرورت باقی ہے :

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ دین کا بڑا حصہ نفس کی ترقی، عقلوں کی تربیت اور ظاہری اعمال کی اصلاح یعنی اخلاق، عقائد اور شرائع پر مبنی ہے۔ قرآن نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں بہترین رہنمائی دی ہے۔ یہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں اور ان سب سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے جو دین کا اصل مقصود و مطلوب ہے۔

ان تین بنیادوں سے تین علوم پیدا ہوئے۔ علم اخلاق و مواعظ، علم کلام اور علم فقہ۔ علماء نے ان میں سے اصول فقہ کے ذیل میں قرآن مجید کی تاویل کے اصول کا کچھ حصہ شامل کیا ہے جبکہ اخلاق اور علم کلام قرآن سے بالکل غیر متعلق ہو گئے۔

جہاں تک علم اخلاق کا تعلق ہے یہ بہت پھیل گیا۔ اس کے حاملین نے ہر وہ چیز اس میں ٹانک لی جو ان کو پسند اور دل کو بھا گئی۔ بعض لوگ اس کی بنا فلسفیوں سے حاصل کردہ حکمت عملی پر رکھتے ہیں، بعض تجربات پر اعتماد کرتے ہیں، بعض اس کو ضعیف روایات پر تعمیر کرتے ہیں اور کبھی قرآن سے بھی اپنی کمزور تاویلات کے لیے سہارا لیتے ہیں۔ اس کی بنیاد ان کے نزدیک یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب کے مقصد کے لیے اور کسی اچھائی کی مدح اور برائی کی مذمت کے لیے دلیل کے صحیح ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صوفیاء کا ایک گروہ بھی علم اخلاق کا حامل ہے۔ انہوں نے عقائد میں کلام کیا لیکن وہ عربی زبان سے ناواقفیت اور دین کی حقیقت سے بے خبری کے باعث قرآن کی تاویل اپنے تصورات کے مطابق کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن اور اس کے اسرار و رموز کا ان سے زیادہ کوئی جاننے والا نہیں۔ اس طرح کے دعوے ابن عربی کے کلام میں ملتے ہیں۔

رہا علم کلام تو اس کے حاملین کی دلچسپی چونکہ ملحدین کے ساتھ رہی اس لیے نقل کے اوپر ان کا اعتماد کم ہو گیا اور ان کی بحث کا بیشتر اسلوب یہ رہا کہ عقل کا جھکاؤ کس طرف ہے جس کو حریف بھی تسلیم کر لے۔ یہ لوگ کبھی کبھی حریف کے اعتراضات سے جان چھڑانے کی غرض سے قرآن کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو قرآن کی مراد ہرگز نہیں ہے۔ یہ لوگ جب صحیح تاویل تک نہ پہنچ سکے اور عقل و نقل میں تطبیق پیدا نہ کر سکے تو انہوں نے تاویل کے لیے دروازے ہی نہیں بلکہ ایسے رخنے چھوڑے جہاں سے وہ اس وقت نکل سکیں جب سیدھے طریقے سے دفاع ممکن نہ رہے۔ یہاں تک کہ رازی جیسے شخص نے، اللہ ان کو معاف فرمائے، یہ کہہ دیا کہ ظاہر قرآن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، ہو سکتا ہے وہ متشابہات میں سے ہو۔ چنانچہ انہوں نے پورے قرآن کو مشتبہ بنا دیا۔ یہ حادثہ صرف اس لیے پیش آیا ہے کہ قرآن سے استنباط کے لیے عام اصول تاویل وضع نہیں کیے گئے جن پر اعتماد کیا جا سکتا اور جو ہر

علم میں کار آمد ہوتے، خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا اخلاق سے یا شریعت سے۔

تاویل قرآن کے اصول کو اصول فقہ کا ایک حصہ بنا دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو ایک الگ مستقل فن بنایا جا سکا اور نہ وہ وقت نظر اس کو میسر آئی جو ایک مستقل فن کے لیے مطلوب ہوتی ہے۔

چونکہ فقہ کا موضوع فروعی مسائل ہوتے ہیں اس لیے تاویل قرآن کے اصول کے معاملے میں وہ بیداری اور احتیاط بھی بروئے کار نہ لائی جا سکی جو اصول دین میں مطلوب ہے۔ خیال یہی رہا کہ فروعی مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا ایک معمول کی بات ہے لہٰذا قرآن کی تاویل کے اختلافات کو بھی زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا گیا۔

پھر علم فقہ کے قرآن اور سنت کے درمیان مشترک ہونے کے باعث بھی یہ علم وہ اہمیت حاصل نہ کر سکا جس کا یہ مستحق تھا۔ سنت میں زیادہ لحاظ راویوں پر تنقید کا ہوتا ہے۔ متن کے اندر الفاظ اور جملوں کی ترکیب پر زیادہ غور نہیں کیا جاتا کیونکہ روایات اکثر بالمعنی نقل ہوئی ہیں۔ قرآن کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کے الفاظ پر گرفت مضبوط رکھی جاتی ہے، اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک حرف پر نگاہ رکھی جاتی ہے، اس کے نظم اور اشارات سے جو نتائج نکلتے ہیں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے، آیات کے مطالب کے کمزور احتمالات کی نفی کی جاتی ہے، جس چیز میں شبہ پیش آئے اس کو محکم آیات کی روشنی میں جانچا جاتا ہے۔ کسی کمزوری کو نہ آیات کے مطالب میں اور نہ ان کی تنزیل میں معاف کیا جاتا ہے۔

اگر اصول تاویل کو قرآن کی تفسیر کے علم کا حصہ بنایا جاتا تو دین میں اس کو بے حد اونچا مقام حاصل ہوتا اور اس میں کامل محنت صرف اور کمزور آراء کے در آنے سے احتیاط کرنا ممکن ہوتا۔ اس کے بعد اس علم کو حدیث اور دوسرے کلام میں بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کو جو اصول فقہ کا حصہ بنا دیا گیا تو یہ علم اپنے مرتبہ سے تین اعتبار سے نیچے گر گیا۔

اولاً یہ علم مستقل بحث کے لائق تھا لیکن جب دوسری چیزیں اس میں شریک ہو گئیں تو یہ ان کے اندر دب کر رہ گیا۔

ثانیاً یہ علم فہم قرآن کے اصول ہونے کے باعث علم تفسیر کا سب سے بڑا حصہ تھا لیکن جب اس کو فروعی علم میں شمار کر لیا گیا تو اس کی وہ تنقیح نہ ہو سکی جس کے نتیجہ میں یہ تاویل قرآن کے لیے اس طرح کی کسوٹی یا میزان بن سکتا جس طرح کی کسوٹی اور میزان علم نحو و عروض ہے۔ لہٰذا یہ علم ایک کامل فن کی حیثیت اختیار نہیں کر سکا۔ اس میں کمال فن یہی کچھ رہا کہ جس طرح قوموں کے مختلف قوانین ہوتے ہیں اسی طرح اس میں کچھ تخصیصی اصول قرار پائیں اور کہا جائے کہ ابو حنیفہؒ نے اس اصول کو تسلیم کیا ہے اور شافعیؒ فلاں اصول کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

خالد مسعود

معطوف علیہ کا حذف

دو جملوں کو حرف عطف کے ساتھ مربوط کرنے کا طریقہ نہ صرف عربی زبان میں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی معروف ہے۔ حرف عطف عربی میں واؤ، فا، بل، ام اور ثم وغیرہ ہیں اور بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی نیا جملہ حرف عطف سے شروع ہوتا ہے تو اس صورت میں بالعموم اس جملہ کا عطف اوپر کے کسی مضمون پر ہوتا ہے۔ قرآن میں کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی جملے کے اندر حرف عطف موجود ہوتا ہے اس کے بعد آنے والا جملہ، جو معطوف کہلاتا ہے، وہ بھی موجود ہوتا ہے لیکن حرف عطف سے پہلے آنے والا جملہ۔ معطوف علیہ۔ کہیں نظر نہیں آتا۔ معطوف علیہ کا حذف عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے جس کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ حرف عطف کا وجود، درآنحالیکہ اس سے پہلے کوئی ایسا لفظ موجود نہ ہو جو اس کا معطوف علیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس بات کا قرینہ ہوتا ہے کہ وہاں معطوف علیہ حذف ہے۔

معطوف علیہ کے حذف کے تین مواقع عام ہیں۔ ایک یہ کہ محذوف مضمون ایسا ہو کہ جس کی طرف قاری کا ذہن بآسانی منتقل ہو سکتا ہو اور یہ امکان نہ ہو کہ سیاق و سباق کی روشنی میں وہ کوئی غلط نتیجہ اخذ کرے گا۔ دوسرا یہ کہ ایسا قرینہ موجود ہو جس کا تقاضا اس وقت تک پورا ہو ہی نہ سکتا ہو جب تک اس کی روشنی میں محذوف کو کھولا نہ جائے۔ تیسرا یہ کہ محذوف مضمون وسعت رکھتا ہو۔ اس صورت میں الفاظ سے اس کو محدود کرنے کے بجائے قاری کے ذہن کی جولانی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اس موقع پر وہ ساری بات خود سوچے جس پر سیاق و سباق دلیل بن سکتا ہو۔ اس تیسری صورت میں قرآن کا ایک طالب علم نظائر کی روشنی میں معطوف علیہ کو کھولے تو یہ زیادہ قابل اعتماد طریقہ ہوگا۔

اب ہم اس حذف کی کچھ مثالوں پر غور کرتے ہیں۔

حرف عطف واؤ کے ساتھ حذف۔:

۱۔ ھذہ بضاعتنا ردت الینا ونمیر اھلنا ونحفظ اخانا (یوسف ۶۵)

"یہ ہماری پونجی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔ (اب ہم جائیں گے) اور اپنے اہل وعیال کے لیے رسد لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے۔"

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول ہے جو انہوں نے اپنے والد صاحب کو اس بات پر قائل کرنے کے لیے کہا کہ وہ ان کے چھوٹے بھائی بن یمین کو مصر بھیجیں ورنہ حکومت غلہ دینے سے انکار کردے گی۔ حرف عطف "و" کے بعد کے جملے مستقبل کی خبر دے رہے ہیں کہ ہم رسد لائیں گے اور بھائی کی حفاظت کریں گے۔ ان کا تقاضا یہ ہے کہ واؤ سے پہلے بھی مستقبل کا مفہوم رکھنے والا جملہ ہو تاکہ بات مکمل ہو سکے۔ "اب ہم جائیں گے" کے مضمون کا حامل کوئی جملہ یہ ضرورت پوری کر سکتا ہے، جیسا کہ آیت کے ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

۲۔ کلما ارادوا ان یخرجوا منہا من غم اعیدوا فیہا و ذوقوا عذاب الحریق (حج ۲۲)۔

"جب جب وہ اس کے کسی عذاب سے نکلنے کی کوشش کریں گے اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے کہ (اس میں ذلیل ہو کر رہو) اور چکھو جلنے کا عذاب"۔

یہاں واؤ سے پہلے کا جملہ بعد کے جملے کا معطوف علیہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ (ذوقوا) امر کا صیغہ ہے اور اس کا معطوف علیہ بھی امر ہونا چاہیے جو بات کی تکمیل کر سکے۔ مکذبین کے عذاب میں ڈالے جانے کا اسی طرح کا بیان سورہ مومنون آیت ۱۰۸ میں بھی ہے۔ وہاں آیا ہے کہ جب وہ جہنم سے نکلنے کی فریاد کریں گے تو جواب دیا جائے گا۔ اخسئوا فیہا یعنی اسی میں ذلیل ہو کر پڑے رہو۔ اس نظیر کی روشنی میں زیر بحث آیت میں بھی یہی مضمون محذوف مانا جا سکتا ہے۔

۳۔ وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ (نحل ۱۴)

"اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اس میں چیرتی ہوئی چلتی ہیں (تاکہ تم ان میں سفر کرو) اور تاکہ اس کے فضل کے طالب بنو"۔

یہاں لتبتغوا مضارع خفیف کی شکل میں ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ واؤ سے پہلے بھی اسی طرح کا مضارع خفیف محذوف مانا جائے جو فضل کی طلب کی طرح کے کسی فائدے کی نشاندہی کر سکے۔ یہ مقصد لتسافروا کو محذوف ماننے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ چونکہ کشتی کا پانی کے سفر کے لیے استعمال ایک

ایسا معاملہ ہے جس کی طرف ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے اور قاری کے لیے اس کے تعین میں غلطی کرنے کا امکان نہیں اس لیے اس لفظ کو حذف کر دیا جبکہ طلب رزق کے مقصد کو نمایاں کر دیا کیونکہ وہ سفر کا ایک ضمنی فائدہ ہے جس کی طرف از خود ذہن منتقل نہیں ہوتا۔

۴۔ و کذلک مکنا لیوسف فی الارض و لنعلمہ من تاویل الاحادیث (یوسف ۲۱)۔

"اس طرح ہم نے یوسف کے لیے ملک میں زمین ہموار کی (تاکہ ہم اس کو برگزیدہ کریں) اور تاکہ اس کو باتوں کی تعبیر بتائیں"۔

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو ملک مصر میں عزیز کی سرپرستی میں دینے کے موقع کا حوالہ ہے۔ اس کی دو مصلحتوں میں سے ایک واضح جبکہ دوسری محذوف کر دی ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۵ میں دوسری مصلحت یہ بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسفؑ کو برگزیدہ کرے گا۔ اس قرینہ کی روشنی میں یہاں لنجتبیہ (تاکہ ہم اس کو برگزیدہ کریں) کو محذوف مانا جا سکتا ہے۔

۵۔ و کذالک نصرف الایات و لیقولوا درست (انعام ۱۰۵)

"اور اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسلوبوں سے پیش کرتے ہیں (تاکہ وہ بات کو سمجھیں) اور تاکہ وہ بول اٹھیں کہ تم نے اچھی طرح پڑھ کر سنا دیا"۔

قرآن مجید ایک ہی حقیقت کو مختلف اسلوبوں سے بیان کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کی گرفت میں آ جائے اور وہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس اسلوب بیان کو وہ تصریف آیات کا نام دیتا ہے۔ اس اسلوب کا فائدہ سورہ انعام کی آیت ۶۵ میں لعلھم یفقھون (تاکہ لوگ بات کو سمجھیں) کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ اس نظیر کی روشنی میں یہاں بھی یہی مفہوم مقدر مانا جا سکتا ہے۔

۶۔ و کذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین (انعام ۷۵)

"اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین میں ملکوت الٰہی کا مشاہدہ کراتے تھے (تاکہ وہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے) اور تاکہ کاملین یقین میں سے بنے"۔

اس آیت میں دو جگہ محذوف ہیں۔ نری سے پہلے کنا فعل ناقص حذف ہے اور آگے لیکون کا

معطوف علیہ بھی حذف ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو کائنات کا جو مشاہدہ کرایا گیا اس کی روشنی میں سورج، چاند اور ستاروں کی مثالوں سے انہوں نے شرک کے خلاف قوم پر حجت قائم کی جس کی طرف آگے آیت ۸۰ میں اشارہ بھی کر دیا ہے۔ اس قرینہ کی موجودگی میں یہی مضمون محذوف مانا جاسکتا ہے۔

۷۔ وانظر الی حمارک و لنجعلک ایۃ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزھا (بقرہ ۲۵۹)

"اور اپنے گدھے کو دیکھو (ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں تاکہ تمہیں اٹھائے جانے کا یقین ہو) اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کیسے جوڑتے ہیں"۔

یہاں تذکرہ ایک مرد صالح کا ہے جو اپنے گدھے پر سوار کسی بستی کے کھنڈروں پر سے گزرے تو خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ کیسے یہاں زندگی کی ہما ہمی پیدا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تربیت کے لیے ان کو سو سال کے لیے موت دے دی۔ پھر زندہ کیا اور ان کے مرے ہوئے گدھے کو ان کے سامنے جوڑ کر اس کا ڈھانچہ کھڑا کیا اور پھر اسے زندگی دی۔ خود ان کے اوپر جو واردات گزری اس کا لوگوں کے لیے نشانی بنانا ایک بعید فائدہ تھا جس کی طرف آسانی سے ذہن منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے اس فائدہ کو معطوف کی صورت میں واضح کر دیا۔ جب کہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے بارے میں جستجو کا اظہار تو خود مرد صالح کے قول میں ہو چکا تھا اس لیے ان کے ایمان بالبعث کا فائدہ بالکل واضح اور قریبی تھا۔ چنانچہ اس کو بیان میں حذف کر دیا اور حرف ربط واؤ کو باقی رکھ کر اس کی طرف توجہ دلا دی۔

اس اسلوب کی مزید مثالیں سورہ آل عمران کی آیات ۴۰، ۵۳، ۱۹۶، سورہ انعام کی آیات ۵۵، ۹۰، سورہ انفال ۷، سورہ مریم ۱۰ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حرف عطف فا کے ساتھ حذف:

۱۔ ولو تری اذ وقفوا علی النار فقالوا یلیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا (انعام ۲۷)

"اور اگر تم اس وقت کو دیکھ پاتے جب یہ دوزخ کے کنارے پر کھڑے کیے جائیں گے پس کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس کیے جائیں (کہ مانیں) اور اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کریں۔۔۔۔۔۔۔"۔

آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کو جب جہنم رسید کیا جائے گا تو اس وقت وہ یہ تمنا کریں گے کہ

کاش ہمیں ایک مرتبہ دنیا میں پھر واپس جانے کا موقع دیا جاتا تو ہم پہلی روش کے خلاف ان کی تصدیق کرتے اور تکذیب نہ کرتے۔ "تکذیب نہ کرتے" میں قرینہ موجود ہے کہ پہلا حصہ تصدیق کے مفہوم کا حامل ہونا چاہیے۔ تکذیب میں مضارع کا صیغہ خفیف اعراب کے ساتھ ہے لہذا معطوف علیہ بھی اس کا مماثل ہونا ضروری ہے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب اس پر "فا" داخل ہو یعنی فنؤمن یا فنصدق کا لفظ محذوف ہو گا۔ چونکہ پہلا جملہ تمنی کا جملہ ہے جس سے شرط مفہوم ہوتی ہے اور ایسا جملہ جواب شرط کا متقاضی ہوتا ہے اس قرینہ کی موجودگی میں یہاں جواب شرط کو محذوف کر دیا تاکہ قاری خود ہی جملے کے خلا کو بھرلے۔ اس طرح کے جملوں میں جواب شرط پر "فا" داخل ہوتا ہے اور مضارع کو خفیف کر دیتا ہے۔ حذف کھولنے پر عبارت یوں ہو گی:

یلیتنا نرد فنصدق ولا نکذب بایات ربنا

۲۔ فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر فانفلق (شعرا ۶۳)

"پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا دریا پر مارو (پس اس نے مارا) تو وہ پھٹ گیا"۔

یہاں جملے کے اندر ہی ایسا خلا موجود ہے جو محذوف مضمون کی نشاندہی کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو حکم ہوا اس کا بیان بھی موجود ہے اور اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ کا بیان بھی موجود ہے۔ اس قرینہ کی روشنی میں «فانفلق» سے پہلے «فضرب» کا لفظ محذوف ہو گا جو تعمیل حکم کو ظاہر کرتا ہے۔

حرف عطف ثم کے ساتھ حذف:

۱۔ الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم (بقرہ ۲۴۳)

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ نے ان کو کہا کہ جاؤ مر جاؤ (تو وہ مر گئے) پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا"۔

یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہونے کہ مر جاؤ اور پھر ان کے زندہ کیے جانے کے درمیان ایک خلا موجود ہے جو فماتوا (تو وہ مر گئے) سے بھرتا ہے۔ یہ لفظ ثم سے پہلے معطوف علیہ مانا جاسکتا ہے۔

حرف عطف ام کے ساتھ حذف :

۱۔ وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین (نمل ۲۰)

" اور اس نے پرندوں کی فوج کا جائزہ لیا تو بولا کہ کیا بات ہے میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں ! (کیا وہ موجود ہے) یا غیر حاضروں میں ہے " ۔

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معائنہ افواج کا ذکر ہے ۔ انہوں نے جب پرندوں کی فوج کا معائنہ کیا تو ہدہد کو غائب پایا ۔ اس پر انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا ہدہد موجود ہے اور مجھے نظر نہیں آ رہا ہے یا غیر حاضر ہے ۔ آیت میں پہلی بات حذف کر دی ۔ یہ حرف عطف " ام " سے پہلے کا حصہ ہے جو موقع کلام سے خود ہی نمایاں ہو جاتا ہے ۔

۲۔ سورہ طور میں آیت ۳۰ کا آغاز حرف " ام " سے ہوا ہے جبکہ پچھلی آیت میں جملہ ایسا نہیں ہے جو معطوف علیہ ہو سکے ۔ فرمایا

فذکر فما انت بنعمت ربک بکاھن ولا مجنون ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون (۲۹ ، ۳۰)

" پس تم یاد دہانی کرتے رہو ، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کوئی کاہن ہو اور نہ کوئی دیوانے ۔ یا کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس کے لیے ہم گردش روزگار کے منتظر ہیں " ۔

غور کیجیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں کفار کے اس قول کی تردید ہے جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن یا مجنون کہتے تھے ۔ چونکہ تردید کے الفاظ ہی میں ان کا اعتراض نمایاں ہو رہا تھا اس لیے اس کو حذف کر دیا ۔ اس کو کھولیے تو پوری بات یوں ہوگی :

" کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی کاہن ہے یا دیوانہ ؟ تو تم یاد دہانی کرتے رہو کیونکہ تم اپنے رب کے فضل سے نہ کوئی کاہن ہو نہ دیوانے ۔ یا کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس کے لیے ہم گردش روزگار کے منتظر ہیں ؟ تو تم ان سے کہہ دو کہ انجام کا انتظار کرو " ۔

تبصرہ کتب

محبوب سبحانی

نیا علمی اور تحقیقی رسالہ

نئی دہلی کے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عرب اسٹڈیز نے اسلام اور مشرق وسطی کے متعلق ایک علمی اور تحقیقی مجلہ انگریزی زبان میں " مسلم اینڈ عرب پرسپیکٹوز " کے نام سے معروف اسکالر ڈاکٹر ظفرالاسلام خان کی ادارت میں حال ہی میں جاری کیا ہے ۔ یہ رسالہ اصلاً ماہوار ہے لیکن ابتدا میں ہر دو ماہ بعد شائع ہو رہا ہے ۔ اس وقت ہمارے پیش نظر اس کے پہلے تین شمارے ہیں ۔ پہلے شمارہ میں معروف صاحب فکر سید امین الحسن رضوی کے قلم سے عبداللہ یوسف علی کے قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ دوسرا اور تیسرا شمارہ جو یکجا شائع ہوا ہے مسئلہ فلسطین کے متعلق ہے جس میں مسئلہ کے آغاز سے اب تک کی صورتحال پر بڑی تفصیل سے لکھا گیا ہے ۔ حال ہی میں امریکہ اور اسرائیل کی ملی بھگت سے پی ۔ ایل ۔ او کے تحت غزہ کی پٹی اور یریحو کے علاقہ میں فلسطینیوں کو جس نام نہاد داخلی خودمختاری دینے کا اعلان کیا گیا ہے اس کے پس پردہ یہودیوں کی عیارانہ چالوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ غزہ ابتدا ہی سے اسرائیل کے لیے دردسر بنا رہا ہے ۔ اسرائیل نے اپنی فوجی طاقت سمیت دوسرے تمام ہتھکنڈے استعمال کر کے دیکھ لیے ہیں لیکن وہ غزہ کے فلسطینیوں پر قابو پانے میں ناکام رہا ہے ۔ انتفاضہ کی تحریک بھی غزہ سے اٹھی ہے اور حماس نے بھی اس علاقہ سے جنم لیا ہے ۔ اسرائیل نے اب فلسطینیوں کو آپس میں لڑانے کی چال چلی ہے جس میں یاسر عرفات پھنس گئے ہیں ۔

مضامین کا علمی اور تحقیقی معیار بہت بلند ہے ۔ البتہ زبان میں کہیں کہیں ثقاہت کی کمی محسوس ہوتی ہے ۔

جو لوگ عالم اسلام کے مسائل پر سنجیدگی سے غور و فکر کرتے ہیں یہ مجلہ ان کو اچھی غذا فراہم کرنے کا کام دے سکتا ہے ۔ اس قسم کے رسائل کو پھیلانے کی شدید ضرورت ہے ۔

مجلہ کا سالانہ زر اشتراک افراد کے لیے -/150 روپے (بیرون ممالک سے 15 ڈالر) ہے اور اس کو میڈیا اینڈ پبلشنگ پوسٹ بکس نمبر 9701 ، دہلی 110025 سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔

مصحف دوراں

شاعر	خلیل الرحمان چشتی
ملنے کا پتہ	مکان نمبر 801، جی 10/4، اسلام آباد
قیمت	-/125 روپے

خلیل الرحمان چشتی کے مجموعہ کلام مصحف دوراں کی بنیادی خوبی اس کا اسلامی تشخص ہے۔ اس میں انہوں نے بعض قرآنی آیات اور احادیث کے مفہوم اور مطالب کو شعر میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو بذات خود ایک نیک خواہش پر مبنی ہے۔ اس کوشش میں وہ کہیں کہیں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ اس کی ایک عمدہ مثال نظم بعنوان "وحی مغربی" ہے۔ اچھے خیالات اور جذبات کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کے لیے زبان وبیان کی پختگی اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں شاعر کو ابھی مزید مشق کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی شاعری پر ان ہی کا ایک شعر صادق آتا ہے۔ ؎

نہ کوئی ایہام کی ہے صنعت، نہ کوئی ابہام کی ہے لعنت
بہت ہی سادہ سا ڈھنگ ہے اک، خلیل چشتی کی شاعری کا

طورو ضلع مردان سے شکیل احمد صاحب نے اطلاع دی ہے کہ ان کے والد مولانا عبدالعزیز مظاہری کا انتقال ہوگیا ہے۔ موصوف صاحب علم بزرگ تھے اور تدبر کے نہایت پرانے قاری تھے۔ ادارہ شکیل احمد صاحب کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مولانا مرحوم کی مغفرت کے لیے دعاگو ہے۔

لقیہ : مال ومتاع کے متعلق فیصلے

وضاحت:

یہ ہے ہم خرما و ہم ثواب۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے حضرت عائشہؓ کی لونڈی بریرہؓ کو کچھ گوشت صدقہ میں ملا، انہوں نے پکانے کی غرض سے اس کو ہنڈیا میں چولہے پر رکھا ہوا تھا۔ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا، کھانے کو کچھ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بریرہ کو صدقے کا گوشت ملا ہے، وہ تو آپ کھائیں گے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ان کے لیے صدقہ ہے، ہمارے لیے ہدیہ ہو گا۔

(ترتیب : سعید احمد)

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

		پیسے روپے
1 ۔	مجموعہ تفاسیر فراہی	۲۰۰-۰۰
2 ۔	حکمت قرآن	۰۰-۰۰
3 ۔	اقسام القرآن	۰۰-۰۰
4 ۔	ذبیح کون ہے	۰۰-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

1 ۔	تدبر قرآن: (۹ جلد)	۱۸۰۰-۰۰
	: (فی جلد)	۲۰۰-۰۰
2 ۔	مبادی تدبر قرآن	۶۳-۰۰
3 ۔	مبادی تدبر حدیث	۶۳-۰۰
4 ۔	حقیقت شرک وتوحید	۹۰-۰۰
5 ۔	حقیقت نماز	۳۹-۰۰
6 ۔	حقیقت تقویٰ	۳۹-۰۰
7 ۔	تزکیہ نفس: جلد اول (شائع کردہ ملک سنز)	۰۰-۰۰
	: جلد دوم	۷۵-۰۰
8 ۔	دعوت دین اور اس کا طریق کار	۷۸-۰۰
9 ۔	اسلامی قانون کی تدوین	۴۸-۰۰
10 ۔	اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
11 ۔	اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۴۸-۰۰
12 ۔	اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۶۳-۰۰
13 ۔	قرآن میں پردے کے احکام	۱۰-۰۰
14 ۔	فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	۶۶-۰۰
15 ۔	تفہیم دین	۵۴-۰۰
16 ۔	مقالات اصلاحی: جلد اول	۸۷-۰۰
	: جلد دوم	۰۰-۰۰
	: جلد سوم	۰۰-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

122 ۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ لاہور۔ 54600 ۔ پاکستان۔ فون: ۰۴۲-۷۵۸۰۸۰۰